طیورِ آوارہ

اختر شیرانی کا چوتھا مجموعۂ کلام

کتاب منزل - لاہور

باراوّل

(جملہ حقوق محفوظ)

قیمت تین روپے آٹھ آنہ

سنہ ۱۹۴۶ء

شیخ غلام علی اینڈ سنز ناشران و تاجران کتب و مالکان "کتاب منزل" کشمیری بازار لاہور نے اپنے
علمی پرنٹنگ پریس میں باہتمام میاں فیروزالدین پرنٹر چھپوا کر کشمیری بازار لاہور سے شائع کی

مندرجات

غزلیات

جلوہ آنکھوں پہ چھا گیا کِس کا

جلوہ آنکھوں پہ چھا گیا کس کا؟ شوق، دل میں سما گیا کس کا؟
صورت آنکھوں میں کھُب گئی کس کی؟ نقش دل کو لُبھا گیا کس کا؟
پھر کٹی ساری رات آنکھوں میں جلوہ پھر یاد آ گیا کس کا؟
میرے دل سے بھُلا گیا سب کچھ یہ خیال آہ، آ گیا کس کا؟
شوق ہے پھر بھی دیکھنے کا اُسے شوق، مجنوں بنا گیا کس کا؟
یاد سب کچھ بھلا گئی کس کی دھیان سب کچھ بھلا گیا کس کا؟
کس سے ملنے کی ہیں یہ تدبیریں؟ دل میں ارماں سما گیا کس کا؟
دل میں لی پھر حیا نے چٹکی سی لب پہ پھر نام آ گیا کس کا؟

بیٹھے بٹھلائے رو دیئے اختر
دھیان اس وقت آ گیا کس کا؟

شب کو پہلو میں جو وہ ماہِ سیہ پوش آیا

شب کو پہلو میں جو وہ ماہِ سیہ پوش آیا
ہوش کو اتنی خبر ہے کہ نہ پھر ہوش آیا

بے خودی سمجھی، ہم آغوش ہوئی مجھ سے بہار
کچھ اِس انداز سے وہ یاسمن آغوش آیا

جب نشاں تک نہ رہا قبر کا میری باقی
تب مری قبر پہ وہ زُود فراموش آیا

پھول بکھراتا ہوا، نکہتیں برساتا ہوا
وہ سمن رنگ وسمن بوی وسمن پوش آیا

ماہ وانجم سے کہو، زینتِ کاشانہ بنیں
کہ پھر آغوش میں وہ عشرتِ آغوش آیا

اُن کا زانو تھا مرا سر، مرا دل ہات اُن کا
بے خودی تیرا بُرا ہو مجھے کب ہوش آیا!

وہ گھڑی مل بھی گئی گر غمِ دُنیا سے نجات
چٹکیاں لیتا ہوا دل میں غمِ دوش آیا

کس لئے رو دیئے یُوں بیٹھے بٹھائے اخترؔ
آج کیا یاد کوئی یادِ فراموش آیا؟

دِل و دماغ کو رو لوں گا، آہ کر لوں گا

دل و دماغ کو رو لوں گا، آہ کر لوں گا
تمہارے عشق میں سب کچھ تباہ کر لوں گا!
اگر مجھے نہ ملیں تم، تمہارے سر کی قسم!
میں اپنی ساری جوانی تباہ کر لوں گا
مجھے جو دیر و حرم میں، کہیں جگہ نہ ملی
ترے خیال ہی کو سجدہ گاہ کر لوں گا!
جو تم سے کر دیا محروم، آسماں نے مجھے
میں اپنی زندگی صرفِ گناہ کر لوں گا

"رقیب" سے بھی ملوں گا، تمہارے حکم پہ ہیں
جواب تک نہ کیا تھا اب آہ کر لوں گا!
تمہاری یاد میں، مَیں کاٹ دُونگا حشر سے دِن
تمہارے ہجر میں راتیں سیاہ کر لوں گا
ثواب کے لئے ہو جو گنہ وہ عین ثواب
خدا کے نام پہ بھی اک گناہ کر لوں گا
حریمِ حضرتِ سلمیٰ کی سمت جاتا ہوں
ہُوا نہ ضبط تو چُپکے سے آہ کر لوں گا
یہ نَو بہار، یہ ابر و ہَوا، یہ رنگِ شراب
چلو جو ہو سو ہو اب تو گناہ کر لوں گا
کسی حسینہ کے معصوم عشق میں اخترؔ
جوانی کیا ہے میں سب کچھ تباہ کر لوں گا

مستانہ پیئے جا، یُونہی مستانہ پیئے جا

مستانہ پیئے جا، یُونہی مستانہ پیئے جا
پیمانہ تو کیا چیز ہے، میخانہ پیئے جا

کر غرقِ مئے و جام، غمِ گردشِ ایّام
ہاں اے دلِ ناکام حکیمانہ پیئے جا

مے نوشی کے آداب سے آگاہ نہیں تُو
جس طرح کہے ساقیٔ مے خانہ پیئے جا

کشکول ہو یا ساغرِ جم، نشہ ہے یکساں
شاہانہ پیئے جا کہ فقیرانہ، پیئے جا

اِس فکر کی بستی میں ہے مستی ہی سے ہستی
دیوانہ بن اور بادلِ دیوانہ پیئے جا

ہر جام میں رقصاں ہے پریخانۂ مستی
آنکھوں سے لگا کر یہ پریخانہ پیئے جا

مے خانے کے ہنگامے ہیں کچھ دیر کے مہماں
ہے صبح قریب اخترؔ دیوانہ پیئے جا

دلِ شکستہ حریفِ شباب ہو نہ سکا

دلِ شکستہ حریفِ شباب ہو نہ سکا　　یہ جام ظرف نوازِ شراب ہو نہ سکا
کچھ ایسے رحم کے قابل تھے ابتدا ہی سے ہم　　کہ اُن سے بھی ستم بے حساب ہو نہ سکا
نظر نہ آیا کبھی شب کو اُن کا جلوۂ رُخ　　یہ آفتاب کبھی ماہتاب ہو نہ سکا
نگاہِ فیض سے محروم، برتری معلوم　　ستارہ چمکا مگر آفتاب ہو نہ سکا
ہے جام خالی تو پھیکی ہے چاندنی کیسی　　یہ سیلِ نور، ستم ہے شراب ہو نہ سکا
یہ مے چھلک کے بھی اُس حُسن کو پہنچ نہ سکی　　یہ پھول کھل کے بھی اُس کا شباب ہو نہ سکا

کسی کی شوخ نوائی کا ہوش تھا کس کو
میں ناتواں تو حریفِ خطاب ہو نہ سکا

ہوں تیرے وصل سے مایوس اس قدر گویا
کبھی جہاں میں کوئی کامیاب ہو نہ سکا

وہ پوچھتے ہیں ترے دل کی آرزو کیا ہے
یہ خواب ہائے کبھی میرا خواب ہو نہ سکا

تلاشِ معنیٔ ہستی میں فلسفہ نہ برت
یہ راز آج تک بے حجاب ہو نہ سکا

شرابِ عشق میں ایسی کشش سی تھی اختر
کہ لاکھ ضبط کیا اجتناب ہو نہ سکا

دلِ مہجور کو تسکین کا ساماں نہ ملا

دلِ مہجور کو تسکین کا ساماں نہ ملا / شہرِ جاناں میں ہمیں مسکنِ جاناں نہ ملا
کوچہ گردی میں کٹیں شوق کی کتنی راتیں / پھر بھی اُس شمعِ تمنا کا شبستاں نہ ملا
پوچھتے منزلِ سلمیٰ کی خبر ہم جس سے / وادیِ نجد میں ایسا کوئی انساں نہ ملا
یوں تو ہر راہ گذر پہ تھے ستارے رقصاں / جس کی حسرت تھی مگر وہ مہِ تاباں نہ ملا
لالہ و گُل تھے بہت عام چمن میں لیکن / ڈھونڈتے تھے جسے وہ سروِ خراماں نہ ملا
جس کے پردوں سے مچلتی ہو وہی نکہتِ شوق / بےخودی کی قسم ایسا کوئی ایواں نہ ملا

بختِ بیدار کہاں، جلوۂ دلدار کہاں — خواب میں بھی ہمیں وہ غنچۂ خنداں نہ ملا

بےکسی، تشنہ لبی، دردِ حلاوت طلبی — چاندنی رات میں بھی چشمۂ حیواں نہ ملا

یوں تو ہر در پہ لپکتے نظر آئے دامن — کھینچتے ناز سے جس کو وہی داماں نہ ملا

کس کے در پر نہ کئے سجدے نگاہوں نے مگر — ہائے تقدیر وہ غارت گرِ ایماں نہ ملا

کون سے بام کو رہ رہ کے نہ دیکھا لیکن — نگہِ شوق کو وہ ماہِ خراماں نہ ملا

درِ جاناں پہ فدا کرتے دل و جاں اخترؔ
وائے برحالِ دل و جاں، درِ جاناں نہ ملا

بے وفا کو عبث الزامِ جفا دینا تھا

بے وفا کو عبث الزامِ جفا دینا تھا
ہم ہی بھولے کہ تجھے دل سے بھلا دینا تھا

حسن و الفت میں نہیں تفرقۂ فرد و دوئی
جذبِ کامل کو یہ پردہ بھی اُٹھا دینا تھا

مبتلا ہو کے ترے عشق کی سرمستی میں
دل سے نقشِ غمِ ہستی کو مٹا دینا تھا

رسمِ فرہاد ہے دنیا میں ابھی تک زندہ
یہ تماشا بھی کبھی اُن کو دکھا دینا تھا

ہو کے ناکام ہوس کار بنے کیوں اختر
یادِ سلمیٰ میں جوانی کو گنوا دینا تھا

دِل میں خیالِ نرگسِ جانانہ آگیا

دل میں خیالِ نرگسِ جانانہ آ گیا
پھولوں سے کھیلتا ہوا دیوانہ آ گیا

بادل کے اُٹھتے ہی مے و پیمانہ آ گیا
بجلی کے ساتھ ساتھ پری خانہ آ گیا

مستوں نے اِس ادا سے کیا رقصِ نوبہار
پیمانہ کیا کہ وجد میں مے خانہ آ گیا

اُس چشمِ مے فروش کی تاثیر کیا کہوں
آنکھوں تک آج آپ ہی پیمانہ آ گیا

معلوم کس کو قیس کی دیوانگی کی شان
ہنگامہ سا بپا ہے کہ دیوانہ آ گیا

اختر غضب تھی عہدِ جوانی کی داستاں
آنکھوں کے آگے ایک پری خانہ آ گیا!

جھوم کر اُٹھّی ہے پھر کہسار سے کالی گھٹا

جھوم کر اُٹھّی ہے پھر کہسار سے کالی گھٹا
کیسی مستانہ گھٹا ہے، کتنی متوالی گھٹا
دیکھنا کیسا یہ برکھا رُت نے جادو کر دیا
ہر کلی بجلی بنی ہے اور ھسرڑ والی گھٹا
سبزہ و گُل جھومتے ہیں، دشت و گلشن مست ہیں
مے کدے برسا رہی ہے ہو کے متوالی گھٹا

چھائی ہے کس دھوم سے گلزار و کوہ و دشت پر
آہ یہ پہلی گھٹا، رنگیں گھٹا، کالی گھٹا

اُن کی زُلفِ مشکبو کی بو چُرا کر لائی ہے
ورنہ کیوں آتی ہے اتراتی ہوئی کالی گھٹا

سبز مخمل سی بچھی جاتی ہے فرشِ خاک پر
ہر طرف لہکا رہی ہے کیسی ہریالی گھٹا

دل سے آتی ہیں صدائیں، بیخودیٔ شوق میں
میرے سینے میں سما جائے یہ متوالی گھٹا

اُن کو بھی ہمراہ لے آتی تو کوئی بات تھی
ورنہ اختر سچ یہ ہے کس کام کی خالی گھٹا

وعدہ اُس ماہرو کے آنے کا

وعدہ، اُس ماہرو کے آنے کا — یہ نصیبہ، سیاہ خانے کا!
کہہ رہی ہے نگاہِ دُزدیدہ — رُخ بدلنے کو ہے زمانے کا
ذرّے ذرّے میں بے حجاب ہیں وہ — جن کو دعویٰ ہے منہ چھپانے کا
حاصلِ عُمر ہے شباب، مگر — اِک یہی وقت ہے گنوانے کا
چاندنی، خامشی اور آخرِ شب — آ کہ ہے وقت دل میں آنے کا
ہے قیامت ترے شباب کا رنگ — رنگ بدلے گا پھر زمانے کا

تیری آنکھوں کی ہو نہ ہو تقصیر
نام رُسوا شراب خانے کا

رہ گئے بن کے ہم سراپا غم
یہ نتیجہ ہے دل لگانے کا

جس کا ہر لفظ ہے سراپا غم
میں ہوں عنوان اُس فسانے کا

اُس کی بدلی ہوئی نظر، توبہ!
یوں بدلتا ہے رُخ زمانے کا

دیکھتے ہیں ہمیں وہ چھپ چھپ کر
پردہ رہ جائے، منہ چھپانے کا

کر دیا جو کہ ستم اختر
ہم پہ احسان ہے زمانے کا

آرزو وصل کی، رکھتی ہے پریشاں کیا کیا

آرزو وصل کی، رکھتی ہے پریشاں کیا کیا
کیا بتاؤں کہ مرے دل میں ہیں ارماں کیا کیا

غم عزیزوں کا، حسینوں کی جدائی دیکھی
دیکھیں، دکھلائے ابھی گردشِ دوراں کیا کیا

اُن کی خوشبو ہے فضاؤں میں پریشاں ہر سُو
ناز کرتی ہے ہوائے چمنستاں کیا کیا

وحشتِ غربت میں رُلاتے ہیں ہمیں یاد آکر
اے وطن تیرے گل و سنبل و ریحاں کیا کیا

اب وہ باتیں نہ وہ راتیں نہ ملاقاتیں ہیں
محفلیں، خواب کی صورت ہوئیں ویراں کیا کیا

ہے بہارِ گل و لالہ، مرے اشکوں کی نمود — میری آنکھوں نے کھلائے ہیں گلستاں کیا کیا

ہے کرم اُن کے ستم کا کہ کرم بھی ہے ستم — شکوے سُن سُن کے وہ ہوتے ہیں پشیماں کیا کیا

گیسو بکھرے ہیں مرے دوش پہ کیسے کیسے — میری آنکھوں میں ہیں آباد شبستاں کیا کیا

وقتِ امداد ہے اے ہمّتِ گستاخیِ شوق — شوق انگیز ہیں اُن کے لبِ خنداں کیا کیا

سیرِ گل بھی ہے ہمیں باعثِ وحشت اختؔر
اُن کی اُلفت میں ہوئے چاک گریباں کیا کیا

حزیں ہے، بیکس و رنجور ہے دل

حزیں ہے، بیکس و رنجور ہے دل محبت پر مگر مجبور ہے دل
تمہارے نور سے معمور ہے دل عجب کیا ہے کہ رشکِ طور ہے دل
تمہارے عشق سے مسرور ہے دل ابھی تک درد سے معمور ہے دل
یہ کس کی مست آنکھیں یاد آئیں کہ اتنا مست ہے مخمور ہے دل
کیا ہے یاد اس یارِ جہاں نے الٰہی کس قدر مسرور ہے دل
بہت چاہا نہ جائیں تیرے در پر مگر کیا کیجئے مجبور ہے دل
فقیری میں اسے حاصل ہے شاہی تمہارے عشق پر مغرور ہے دل
ترے جلوے کا ہے جب سے مسکن جوابِ جلوہ گاہِ طور ہے دل

دو عالم کو بھلا دیں کیوں نہ اختر
کہ اس کی یاد سے معمور ہے دل

تازہ بتازہ نَو بنَو جلوہ بجلوہ چھائے جا

تازہ بتازہ، نَو بنَو جلوہ بجلوہ، چھائے جا
پھولوں میں مسکرائے جا، تاروں میں جگمگائے جا!
خواب و خیال کی طرح، آنکھ میں، دل میں آئے جا!
آنکھ کو بے قراریاں، دل کو جنوں سکھلائے جا!
فتنۂ غم جگائے جا، حشرِ ستم اُٹھائے جا!
نیچی نظر کیے ہوئے بام پہ مسکرائے جا!

ساقیٔ دہر سے کہو، مستِ شرابِ غم ہیں ہم
شام و سحر پلائے جا، ظرف کو آزمائے جا!
میں ہوں وہ مست جس کو ہے کیف کی ندرتوں کا ذوق
شام و سحر کے جام میں شمس و قمر پلائے جا!
ہاں تجھے مجھ سے کیا غرض، میری خوشی سے کیا غرض
تو تو نگاہ پھیر کر دُور سے مسکرائے جا!
دورِ جہاں سے ساقیا، سرد ہوا ہے دل مرا
برف و شراب کی جگہ برق و شرر پلائے جا!
طور خراب ہو نہ ہو، دید کی تاب ہو نہ ہو
کوئی جواب ہو نہ ہو، برقِ نظر گرائے جا!
دل کی رگوں میں مطربہ، شعلے سے تیرنے لگے
بس یہی نغمہ گائے جا، بس اسی دُھن میں گائے جا!

منزلِ ماہ و کہکشاں، وسعتِ نیم گام ہے
عشق کی راہ میں بھی نغمۂ شوق گائے جا!

تیرے اور اُس کے درمیاں تیری خودی حجاب ہے
اپنا نشاں کھوئے جا، اُس کا مقام پائے جا،

بھولنے کا خیال بھی ایک طرح کی یاد ہے
ہم نہ بھلائے جائیں گے لاکھ ہمیں بھلائے جا!

نالۂ نیم شب مرا، سُن کے کسی نے دی صدا
طالبِ لذّتِ بقا، درد کو دل بنائے جا!

دل مرا سر بسر گداز، تیری حیا عدوئے راز
مجھ سے بھی ضبطِ غم نہ ہو تو بھی نظر چرائے جا!

سایۂ ابر ہے شباب، حاصلِ زندگی خراب
سازِ طرب بجائے جا، نغمۂ کیف گائے جا!

زندگیٔ دوام کیا، منّتِ صبح و شام کیا
عمر ہے مختصر تو ہو، عمرِ طرب بڑھائے جا!

ہاں یونہی مطربِ فراق، نغمۂ دردِ اشتیاق
اس کے تصوّرات سے سینے کو جگمگائے جا!

جام بہ جام، خُم بہ خُم، غنچہ بہ غنچہ، گُل بہ گُل
نکہت و رنگ لائے جا، نور و طرب پلائے جا

پردہ ہے عرضِ حال کا، نغمہ و شعر کی زباں
اخترِ غم نوا! انہیں اپنی غزل سنائے جا!

کچھ اُڑا لو مزہ جوانی کا

کچھ اُڑا لو مزہ جوانی کا — کیا بھروسہ ہے زندگانی کا

دھوم ہے اپنے عشق کی گھر گھر — حق ادا ہو گیا جوانی کا

جس کا پردہ ہے اُس کی باتیں ہیں — کیا کھلے بھید عمرِ فانی کا

کوئی لا دے زبانِ حال مجھے — شکوہ کرنا ہے بے زبانی کا

دِن کو آہیں ہیں رات کو آنسو — عشق ہے کھیل آگ پانی کا

وہ جفا ہو کہ ہو وفا آخر

شکر ہے اُن کی مہربانی کا

کچھ تو تنہائی کی راتوں میں سہارا ہوتا

کچھ تو تنہائی کی راتوں میں سہارا ہوتا
تم نہ ہوتے نہ سہی، ذکر تمہارا ہوتا

ترکِ دُنیا کا یہ دعویٰ ہے فضول اے زاہد
بارِ ہستی تو ذرا سر سے اُتارا ہوتا

وہ اگر آ نہ سکے، موت ہی آئی ہوتی
ہجر میں کوئی تو غم خوار ہمارا ہوتا

زندگی کتنی مسرّت سے گزرتی یا رب
عیش کی طرح اگر غم بھی گوارا ہوتا

عظمتِ گریہ کو کوتاہ نظر کیا سمجھیں
اشک اگر اشک نہ ہوتا تو ستارا ہوتا

لبِ زاھد پہ ہے افسانۂ حُورِ جنّت
کاش اس وقت مرا انجمن آرا ہوتا

غمِ الفت جو نہ ملتا، غمِ ہستی ملتا
کسی صورت تو زمانے میں گزارا ہوتا

کِس کو فرصت تھی زمانے کے ستم سہنے کی
گر نہ اُس شوخ کی آنکھوں کا اشارا ہوتا

کوئی ہمدرد زمانے میں نہ پایا اخترؔ
دل کو حسرت ہی رہی کوئی ہمارا ہوتا

ہزار بزم مہیّائے مرگِ نیم شبی است

ہزار بزم مہیّائے مرگِ نیم شبی است　　ہنوز مطربِ اسیر نوائے زیرِ لبی است
زبانِ شوق و گناہِ بیاں چہ بوالعجبی است　　کہ در حضورِ تو عرضِ گناہ بے ادبی است
غرورِ عشق گدا را مجالِ شکوہ نہ داد　　ستارہ سرِ مژگاں دعائے نیم شبی است
چہ طور ضبط کند رازِ ربطِ پنہاں را　　نگاہِ شوق کہ مستِ ادائے بے ادبی است
ز دوستانِ منافق مدار چشمِ وفا　　میانِ پیکرِ اسلام روحِ بولہبی است
دو چیز آں کہ جوان است و ہم جواں سازد　　نگاہِ شوخ و فسوں سازِ بادۂ عنبی است
شہادتے است بر آئینِ اختصاصِ کرم　　جفائے دوست کہ آئینۂ وفاطلبی است

جوابِ شعرِ گرامی نوشتہ ام اختر
"اگرچہ عرضِ ہنر پیشِ یار بے ادبی است"

آئی ہے جھومتی ہوئی بادِ بہارِ عید

آتی ہے جھومتی ہوئی بادِ بہارِ عید — مستِ طرب ہے آج ہر اک میگسارِ عید
لایا ہلال مژدۂ بے اختیارِ عید — شکرِ خدا کہ پھر نظر آئی بہارِ عید
دُنیا سرور و نور کی موجوں میں غرق ہے — کس درجہ جاں فزا ہے نسیمِ بہارِ عید
کوثر لٹاتی آتی ہیں مستانہ بدلیاں — ہاں تشنہ لب رہے نہ کوئی میگسارِ عید
رحم اے ہوائے صبح، غریب الوطن ہیں ہم — ہم کو سُنا نہ مژدۂ بے اختیارِ عید
معصوم بچے جاگتے ہیں کس خوشی سے آج — گویا کہ ہیں ملائکِ شب زندہ دارِ عید

بچھڑی ہوئی سہیلیاں یُوں ملتی ہیں گلے
ہو جس طرح کہ عید کوئی ہمکنارِ عید

اُن کی طرف گزر ہو تو کہہ دینا اے نسیم
کرتا تھا یاد آج کوئی سوگوارِ عید

کیا ظلم ہے کہ عید پہ بھی تُو خبر نہ لے
"عمرت دراز بادِ فراموش گارِ عید"

خلقِ خدا ہے خوش تو ہمیں کیا ہُوا کرے
ہم خستہ جاں تو ہجر میں ہیں دلفگارِ عید

اختر کا ہر تبسّم عُریاں فریب ہے
اِس پردۂ طرب میں نہاں ہے مزارِ عید

گلزارِ جہاں میں گُل کی طرح گو شاد ہیں ہم شاداب ہیں ہم

گلزارِ جہاں میں گُل کی طرح گو شاد ہیں ہم شاداب ہیں ہم
کہتی ہے یہ ہنس کر صبحِ خزاں، سب باعثِ اِک خواب ہیں ہم

کس ماہ لقا کے عشق میں یوں بےچین ہیں ہم، بےتاب ہیں ہم
کِرنوں کی طرح آوارہ ہیں ہم، تاروں کی طرح بےخواب ہیں ہم

مٹ جانے پہ بھی مسرور ہیں ہم، مرجھانے پہ بھی شاداب ہیں ہم
شبہائے شباب و عشق کا اِک بھولا ہُوا رنگیں خواب ہیں ہم

فطرت کے جمالِ رنگیں سے ہم نے ہی اُٹھائے ہیں پردے
بربط ہے اگر فردوسِ جہاں اُس کے لئے اک مضراب ہیں ہم
خوش وقتی ہے وجہِ رنج والم گلزارِ جہاں میں اے ہمدم
طائر نہ پکاریں شاد ہیں ہم، غنچے نہ کہیں شاداب ہیں ہم
ملنے پہ گر آئیں کوئی مکاں خالی نہیں اپنے جلووں سے
اور گوشہ نشیں ہو جائیں اگر، کمیاب نہیں نایاب ہیں ہم
دو دن کے لئے ہم آئے ہیں، اک شب کی جوانی لائے ہیں
فردوس سرائے ہستی میں ہمرنگِ گُلِ مہتاب ہیں ہم
رسوائی شعر و عشق نے وہ رتبہ ہمیں اختر بخشا ہے
فخرِ دکن و بنگال ہیں ہم، نازِ اودھ و پنجاب ہیں ہم

لیلیٰ عشق کو درکار ہیں دیوانے چند

لیلیٰ عشق کو درکار ہیں دیوانے چند
نجد میں پھر نظر آنے لگے ویرانے چند

اللہ اللہ تری آنکھوں کا چھلکتا ہوا کیف
جیسے مستی میں اُلٹ دے کوئی پیمانے چند

اب بھی آغازِ جوانی کے فسانے ہیں یاد
اب بھی آنکھوں میں ہیں آباد پریخانے چند

چٹکیاں لینے لگا دل میں نشاطِ طفلی
آج یاد آ گئے بھولے ہوئے افسانے چند

دل کہیں رازِ محبّت کو نہ کر دے افشا
آج محفل میں نظر آتے ہیں بیگانے چند

بجلیاں کالی گھٹاؤں میں ہیں یوں آوارہ
جیسے کہسار پہ رقصاں ہوں پریخانے چند

کیا کہوں کیا ہے خدا اور مذاہب کا ہجوم
اِک حقیقت پہ ہیں چھائے ہوئے افسانے چند

حافظ و بیدل و خیّام ہوں یا غالب و میر
بادۂ شعر کے ہیں بس یہی مستانے چند

بزمِ ہستی سے نکالے گئے اختر کیا جلد
ابھی پینے بھی نہیں پائے تھے پیمانے چند

پھر ستاتی ہے ہمیں گزری ہوئی راتوں کی یاد

پھر ستاتی ہے ہمیں گزری ہوئی راتوں کی یاد
آہ اُن راتوں کی یاد، اُن پیار کی باتوں کی یاد

رات کے پردوں میں چھپ چھپ کر جو ہوتی تھیں کبھی
چٹکیاں لیتی ہے دل میں اُن ملاقاتوں کی یاد

اب بھی آ کر گدگدا جاتی ہے بزمِ شوق کو
سایۂ گیسو میں شرمائی ہوئی راتوں کی یاد

لہلہا اُٹھتی ہے سینے میں بہارِ بےخودی
جب کبھی آتی ہے اُن رنگین برساتوں کی یاد

سینے میں دردِ فراق آنکھوں میں جوشِ اشتیاق
اب بھی تڑپاتی ہے اُن غمگیں مناجاتوں کی یاد

عشق کی شادابیوں سے جو مہکتی تھیں کبھی
دل میں لہراتی ہے پھر اُن چاندنی راتوں کی یاد

کیا کہیں کس کس طرح اخترؔ رلاتی ہے ہمیں
عشق کی راتوں کی، باتوں کی، ملاقاتوں کی یاد

نکہتِ زُلف سے نیندوں کو بسا دے آکر

نکہتِ زُلف سے نیندوں کو بسا دے آکر!
میری جاگی ہوئی راتوں کو سُلا دے آکر!

فکرِ فردا و غمِ دوش بُھلا دے آکر!
پھر اُسی ناز سے دیوانہ بنا دے آکر!

عشق کو نغمۂ امّید سُنا دے آکر!
دل کی سوئی ہوئی قسمت کو جگا دے آکر!

کس قدر تیرہ و تاریک ہے دنیائے حیات
جلوۂ حُسن سے اِک شمع جلا دے آکر!

عشق کی چاندنی راتیں مجھے یاد آتی ہیں
عُمرِ رفتہ کو مری مُجھ سے مِلا دے آکر!

زندگی بن کے مرے دل میں سما جا سلمٰی
موت اِک پردہ ہے یہ پردہ اُٹھا دے آکر!

آگ سی دل میں لگا جاتا ہے تیرا ہر خط
آ مرے خرمنِ ہستی کو جلا دے آ کر!

تیری فرقت میں مرے شعر ہیں کتنے غمگیں
مسکراتی ہوئی نظروں سے ہنسا دے آ کر!

پھر وہی ہم ہوں وہی لان وہی راتیں ہوں
عہدِ رفتہ کو پھر آئینہ دکھا دے آ کر!

شوقِ نادیدہ میں لذت ہے مگر ناز نہیں
آ مرے عشق کو مغرور بنا دے آ کر!

شبِ فرقت پہ مری ہنستے ہیں اے خندۂ نور
میرے قدموں پہ ستاروں کو گرا دے آ کر!

تشنۂ حسن ہوں اے ساقیٔ میخانۂ حسن
اپنے ہونٹوں سے پھر اک جام پلا دے آ کر!

کب تلک رونقِ شامِ اودھ اے ماہِ رواں؟
شامِ لاہور کو بھی صبح بنا دے آ کر!

ہو چکی سیرِ بہاراں کدۂ قیصر باغ
باغِ لارنس میں بھی پھول کھلا دے آ کر!

گومتی، دیکھ چکی جلوۂ عارض کی بہار
سطحِ راوی کو بھی آئینہ بنا دے آ کر!

تیرا رومان نیا خواب ہے اختر کے لئے
آ اور اس خواب کی تعبیر بتا دے آ کر!

غم خانۂ ہستی میں ہیں مہماں کوئی دن اور

غم خانۂ ہستی میں ہیں مہماں کوئی دن اور
کر لے ہمیں تقدیر پریشاں کوئی دن اور

مر جائیں گے جب ہم تو بہت یاد کرے گی
جی بھر کے ستا لے شبِ ہجراں کوئی دن اور

تربت وہ جگہ ہے کہ جہاں غم ہے نہ حیرت
حیرت کدۂ غم میں ہیں حیراں کوئی دن اور

یاروں سے گلہ ہے نہ عزیزوں سے شکایت
تقدیر میں ہے حسرت و حرماں کوئی دن اور

پامالِ خزاں ہونے کو ہیں مست بہاریں
ہے سیرِ گل و حسنِ گلستاں کوئی دن اور

ہم سا نہ ملیگا کوئی غم دوست جہاں میں
تڑپا لے غمِ گردشِ دوراں کوئی دن اور

قبروں کی جو راتیں ہیں وہ قبروں میں کٹیں گی — آباد ہیں یہ زندہ شبستاں کوئی دن اور

رنگینی و نزہت پہ نہ مغرور ہو بلبل — ہے رنگِ بہارِ چمنستاں کوئی دن اور

آخر کو وہی ہم، وہی ظلماتِ شبِ غم — ہے نورِ رُخِ ماہِ درخشاں کوئی دن اور

آزاد ہوں عالم سے تو آزاد ہوں غم سے — دنیا ہے ہمارے لئے زنداں کوئی دن اور

ہستی کبھی قدرت کا اِک احسان تھی ہم پر — اب ہم پہ ہے قدرت کا یہ احساں کوئی دن اور

لعنت تھی گناہوں کی ندامت مرے حق میں — ہے شکر کہ اس سے ہوں پشیماں کوئی دن اور

شیعوں کو کوئی خلدِ بریں میں یہ خبر دے
دنیا میں اب اختر بھی ہے مہماں کوئی دن اور

شعر میں ذکرِ کسی کا دلِ ناکام نہ کر

شعر میں ذکرِ کسی کا دلِ ناکام نہ کر
اُس نے لکھا ہے کہ یوں تو ہمیں بدنام نہ کر
ہر ہوس پیشہ کو ہو جائے نہ الفت کا گماں
اپنے الطاف کو اے جانِ جہاں عام نہ کر
ہر قدم آگے بڑھے ہمتِ مردانہ ، دل
عشق کی راہ میں فکرِ سحر و شام نہ کر

جس نے خود عشق کا آغاز کیا ہے یارب
کاش یہ بھی وہی کہدے غمِ انجام نہ کر

کوئی ہمدرد ہو کیسے کسی کمزوری کا
دلِ ناداں گلۂ گردشِ ایّام نہ کر!

حشر میں ملنے کی امید تھی وہ بھی نہ رہی
وہ یہ کہتے ہیں کہ ناحق طمعِ خام نہ کر

غیرتِ حسن کو منظور نہیں رسوائی
ضبط اے عشق اِس افسانے کو یوں عام نہ کر

آج ہی آج کے دم سے ہے بہارِ ہستی
فکرِ فردا نہ کر، اندیشۂ انجام نہ کر!

ناز سے گیسوئے سلمیٰ پہ بڑھا ہاتھ اخترؔ
یوں گدایانہ تماشائے لبِ بام نہ کر

سوز پھر چھیڑتا ہے رُوح کا ساز

سوز پھر چھیڑتا ہے رُوح کا ساز ذرّہ ذرّہ ہے اک نوائے گداز
دل نے کھائے بہت فریبِ مجاز آہ او فطرتِ بہانہ طراز!
قبر پر آیا ہے وہ پیکرِ ناز عمرِ رفتہ کو دے کوئی آواز
زندگی کی حقیقت آہ نہ پوچھ موت کی وادیوں میں اک آواز!
آہ او عمرِ رفتہ، تنہا ہوں موت کی گھاٹیوں سے دے آواز!

آج کہتے ہیں مر گیا اختر
آہ وہ عشق پیشہ شعر طراز

نگہِ شوق ہے زبانِ خموش

نگہِ شوق ہے زبانِ خموش — عشقِ رسوا کی داستانِ خموش
خوابِ نوشیں میں ہے وہ جانِ بہار — نور و نکہت کی داستانِ خموش
آہ وہ جذبِ دل کی پہلی نگاہ — وہ محبّت کی چیستانِ خموش
تم کو اخترؔ بھی یاد آتا ہے
کھویا کھویا سا وہ جوانِ خموش

ہر ذرّہ اُس کے حُسن سے روشن ہے آج کل

ہر ذرّہ اُس کے حُسن سے روشن ہے آج کل — اَمرتسر ایک وادیِ ایمن ہے آج کل

اُس حُسنِ بے پناہ نے بے خانماں کیا — جو رہنما تھا عشق میں رہزن ہے آج کل

جس آستاں کو سجدۂ پرویں بھی بار تھا — وہ آستاں جبیں کا نشیمن ہے آج کل

راتوں پہ چاندنی ہے فضا پُر بہار ہے — وحشت ہے ہم ہیں دامنِ گلشن ہے آج کل

ہر گام پر سرورِ ابد کی تجلّیاں — عالم تمام عالمِ ایمن ہے آج کل

پھر بوئے گُل سے آتی ہے اُس گُل بدن کی بُو — پھر دل میں بے خودی کا نشیمن ہے آج کل

بعد از غمِ جدائیِ عذرا مرے لئے
یادِ زبور و ماتمِ شیون ہے آج کل

پیرِ فلک نے عیش کے بدلے دیا ہے غم
جو دوست تھا کبھی وہی دشمن ہے آج کل

چشمِ قمر کو بھی مرے خوابوں پہ رشک ہے
پیشِ نظر ترا رخِ روشن ہے آج کل

کس نو بہارِ ناز نے جلوہ دکھا دیا
لبریزِ گل نگاہ کا دامن ہے آج کل

اپنے نیاز پر مجھے پھر ہو چلا ہے ناز
اک مہ جبیں کے سینے میں مسکن ہے آج کل

پھر خلد بن گئی ہے خدائی مرے لئے
اک حور وش کے دل میں نشیمن ہے آج کل

اختر پھرے نہ کس لئے آوارہ سا یہاں
امرتسر اُس پری کا نشیمن ہے آج کل

آؤ بے پردہ تمہیں جلوۂ پنہاں کی قسم

آؤ بے پردہ تمہیں جلوۂ پنہاں کی قسم
ہم نہ چھیڑیں گے ہمیں زلفِ پریشاں کی قسم

چاکِ داماں کی قسم، چاکِ گریباں کی قسم
ہنسنے والے تجھے اس حالِ پریشاں کی قسم

میرے ارمان سے واقف نہیں، شرمائینگے آپ
آپ کیوں کھاتے ہیں ناحق مرے ارماں کی قسم

نیند آئی نہ کبھی تجھ سے بچھڑ کر ظالم
اپنی آنکھوں کی قسم، تیرے شبستاں کی قسم

لبِ جاناں پہ فدا، عارضِ جاناں کے نثار
شامِ رنگیں کی قسم، صبحِ درخشاں کی قسم

آج تک صبحِ وطن یاد ہے ہم کو اخترؔ
دردِ ہجراں کی قسم، شامِ غریباں کی قسم

یقینِ وعدہ نہیں، تابِ انتظار نہیں

یقینِ وعدہ نہیں، تابِ انتظار نہیں
کسی طرح بھی دلِ زار کو قرار نہیں

شبوں کو خواب نہیں، خواب کو قرار نہیں
کہ زیبِ دوش وہ گیسوئے مشکبار نہیں

کلی کلی میں سمائی ہے نکہتِ سلمیٰ
شمیمِ حور ہے یہ بوئے نو بہار نہیں

کہاں کہاں نہ ہوئے ماہرو جدا مجھ سے
کہاں کہاں مری اُمّید کا مزار نہیں

غموں کی فصل، ہمیشہ رہی ترو تازہ
یہ وہ خزاں ہے کہ شرمندۂ بہار نہیں

بہار آئی ہے ایسے میں تم بھی آ جاؤ
کہ زندگی کا، برنگِ گُل اعتبار نہیں

کسی کی زلفِ پریشاں کا سایہ رقصاں ہے	فضا میں بال فشاں، ابرِ نو بہار نہیں
ستارہ وار وہ پہلو میں آ گئے شب کو	سحر سے کہدو کہ محفل میں آج بار نہیں
گلِ فسردہ بھی اک طرفہ حسن رکھتا ہے	خزاں یہ ہے تو مجھے حسرتِ بہار نہیں
ہر ایک جام پہ، یہ نغمۂ حزیں ساقی!	"کہ اس جوانیٔ فانی کا اعتبار نہیں"!
خدا نے بخش دیئے میرے دل کو غم اتنے	کہ اب میں اپنے گناہوں پہ شرمسار نہیں
چمن کی چاندنی راتیں ہیں کس قدر ویراں	کہ اس بہار میں وہ ماہِ نو بہار نہیں

شریکِ سوز ہیں پروانے شمع کے اختر
ہمارے دل کا مگر کوئی غمگسار نہیں

یارو کوئے یار کی باتیں کریں

یارو کوئے یار کی باتیں کریں
پھر گُل و گلزار کی باتیں کریں

چاندنی میں اے دل اِک اِک پھول سے
اپنے گُل رخسار کی باتیں کریں

آنکھوں آنکھوں میں لٹائیں میکدے
دیدۂ سرشار کی باتیں کریں

اب تو ملئے بس لڑائی ہو چکی
اب تو چلئے پیار کی باتیں کریں

پھر مہک اُٹھے فضائے زندگی
پھر گُلِ رخسار کی باتیں کریں

محشرِ انوار کردیں بزم کو   جلوۂ دیدار کی باتیں کریں
اپنی آنکھوں سے بہائیں سیلِ اشک   ابرِ گوہر بار کی باتیں کریں
اُن کو اُلفت ہی سہی اغیار سے   ہم سے کیوں اغیار کی باتیں کریں

اخترؔ اس رنگیں ادا سے رات بھر
طالعِ بیمار کی باتیں کریں

عید آئی آکہ ساقی، عید کا ساماں کریں

عید آئی، آکہ ساقی، عید کا ساماں کریں
دن ہے قربانی کا، ہم بھی توبہ کو قرباں کریں

میکدے کے بام پر چڑھ کر اذانِ شوق دیں
مست ہیں، یوں پیروئ شیوۂ ایماں کریں

انجم و گل سے کریں آراستہ بزمِ طرب
ساغرِ ناپید کو اس بزم میں رقصاں کریں

ناز ہے زاہد کو جس زہدِ ریائی پر، اسے
مہوشانِ میکدہ کے سامنے عریاں کریں

صحنِ میخانہ نہیں، یہ عید گاہِ شوق ہے
دھوم سے رندو، نمازِ شوق کا ساماں کریں

جس کو سن کر وجد میں آجائے دیوارِ حرم
میکدے میں آج ہم اس راز کو عریاں کریں

پھر لبِ مینا سے چھلکائیں رسیلی بجلیاں — پھر متاعِ غم کو نذرِ شعلۂ عریاں کریں

ایک جانب غنچہ افشاں ہو، چراغاں کی بہار — ایک جانب آتشیں گل کو شرر افشاں کریں

اِک طرف تازہ کریں ہنگامہ ہائے ناؤ نوش — اِک طرف برپا سرودِ نغمہ کے طوفاں کریں

لالہ و گل سے چھپا دیں ساغر و پیمانہ کو — یوں عروسِ بادہ کی تزئین کا ساماں کریں

ہے گراں غم خانۂ ہستی میں ذوقِ بے خودی — خُم کے خُم چھلکا کے ہم اس ذوق کو ارزاں کریں

نازنینانِ حرم کی یاد میں اک شوخ کو — فرشِ گلہائے بہار آلود پر رقصاں کریں

منزلِ جاناں تک اختر ہم پہنچ ہی جائیں گے
پہلے اپنی جاں کو تو خاکِ رہِ جاناں کریں

محبّت کی دُنیا میں مشہور کر دُوں

محبّت کی دُنیا میں مشہور کر دوں
مرے سادہ دل تجھ کو مغرور کر دُوں

ترے دل کو ملنے کی خود آرزو ہو
تجھے اِس قدر غم سے رنجور کر دوں

مجھے زندگی، دور رکھنی ہے تجھ سے
جو تُو پاس ہو تو اِسے دُور کر دوں

محبّت کے اقرار سے شرم کب تک
کبھی سامنا ہو تو مجبور کر دوں

مرے دل میں ہے شعلۂ حُسنِ رقصاں
میں چاہوں تو ہر ذرّے کو طُور کر دوں

یہ بے رنگیاں کب تک اے حُسنِ رنگیں اِدھر آ تجھے عشق میں چُور کر دُوں

تُو گر سامنے ہو تو مَیں بےخودی میں ستاروں کو سجدے پہ مجبُور کر دُوں

سِیہ خانۂ غم ہے ساقی، زمانہ بس اِک جام اور نُور ہی نُور کر دُوں

نہیں زندگی کو وفا ورنہ اختر

محبّت سے دُنیا کو معمُور کر دُوں

تمنّاؤں کو زندہ آرزوؤں کو جواں کر لوں

تمنّاؤں کو زندہ، آرزوؤں کو جواں کر لوں
یہ شرمیلی نظر کہہ دے تو کچھ گستاخیاں کر لوں

بہار آئی ہے بلبل دردِ دل کہتی ہے پھولوں سے
کہو تو میں بھی اپنا دردِ دل تم سے بیاں کر لوں

ہزاروں شوخ ارماں لے رہے ہیں چٹکیاں دل میں
حیا اُن کی اجازت دے تو کچھ بے باکیاں کر لوں۔

کوئی صورت تو ہو دُنیائے فانی میں بہلنے کی
ٹھہر جا اے جوانی، ماتمِ عمرِ رواں کرلوں

چمن میں ہیں بہم، پروانہ و شمع و گُل و بُلبُل
اجازت ہو تو میں بھی حالِ دِل اپنا بیاں کرلوں

کِسے معلوم کب، کس وقت، کس پر گر پڑے بجلی
ابھی سے میں چمن میں چل کر آباد، آشیاں کرلوں

برآئیں حسرتیں کیا کیا، اگر موت اتنی فرصت دے
کہ اک بار اور زندہ شیوۂ عشقِ جواں کرلوں

مجھے دونوں جہاں میں ایک وہ مل جائیں گر اختر
تو اپنی حسرتوں کو بے نیازِ دو جہاں کرلوں

ہمارے ہاتھ میں کب ساغرِ شراب نہیں

ہمارے ہاتھ میں کب ساغرِ شراب نہیں؟
ہمارے قدموں پہ کس روز ماہتاب نہیں؟

جہاں میں اب کوئی صورت پئے ثواب نہیں
وہ میکدے نہیں، ساقی نہیں، شراب نہیں

شبِ بہار میں زلفوں سے کھیلنے والے
ترے بغیر، مجھے آرزوئے خواب نہیں

چمن میں بلبلیں اور انجمن میں پروانے
جہاں میں کون غمِ عشق سے خراب نہیں

سکوتِ حسن کے لب پر ہیں مستیاں گویا
بہار جاگ رہی ہے، وہ محوِ خواب نہیں

وہی ہیں وہ، وہی ہم ہیں، وہی تمنّا ہے — الٰہی کیوں تری دُنیا میں انقلاب نہیں
ہے شام و صبح سے بیگانہ غمکدہ دل کا — چراغِ ماہ نہیں، شمعِ آفتاب نہیں
شباب مٹ چکا یادِ شباب باقی ہے — ہے بُو شراب کی، ساغر میں اب شراب نہیں
سنا یہ نغمہ ستاروں کی چھاؤں میں مطرب! — کہ رات بھر کی ہے اک روشنی، شراب نہیں
دریچۂ مہ و انجم سے جھانکنے والے — ہُوئی ہے عُمر کہ میں آشنائے خواب نہیں
غم، آہ عشق کے غم کا کوئی نہیں موسم — بہار ہو کہ خزاں کب یہ اضطراب نہیں
حریمِ عرش کے سینے سے آرہی ہے صدا — کہ اہلِ دل کی جگہ، عالمِ خراب نہیں
اُمیدِ پرسشِ احوال ہو تو کیوں کر ہو — سلام کا بھی تری بزم میں جواب نہیں

بُجھا سا رہتا ہے دل، جب سے ہیں وطن سے جُدا — وہ صحنِ باغ نہیں، سیرِ ماہتاب نہیں
بسے ہوئے ہیں نگاہوں میں وہ حسین کوچے — ہر ایک ذرّہ جہاں کم ز آفتاب نہیں
وہ باغ و راغ کے دلچسپ و دلنشیں منظر — کہ جن کے ہوتے ہوئے خلد، مثلِ خواب نہیں

وہ جوئبارِ رواں کا طرب فزا پانی　　شراب سے نہیں کچھ کم اگر شراب نہیں
بہ رنگِ زلف، پریشاں وہ موجہائے رواں　　کہ جن کی یاد میں راتوں کو فکرِ خواب نہیں
سما رہے ہیں نظر میں وہ مہوشانِ حرم　　حرم میں جن کے ستارے بھی باریاب نہیں
وطن کا چھیڑ دیا کس نے تذکرہ اخترؔ
کہ چشمِ شوق کو پھر آرزوئے خواب نہیں

وہ کہتے ہیں رنجش کی باتیں بھلا دیں

وہ کہتے ہیں رنجش کی باتیں بھلا دیں
محبّت کریں، خوش رہیں، مسکرا دیں

غرور اور ہمارا غرورِ محبّت
مہ و مہر کو اُن کے در پر جھکا دیں

جوانی ہو گر جاودانی تو یا رب
تری سادہ دُنیا کو جنّت بنا دیں

شبِ وصل کی بے خودی چھا رہی ہے
کہو تو ستاروں کی شمعیں بجھا دیں

بہاریں سمٹ آئیں، کھِل جائیں کلیاں
جو ہم تم چمن میں کبھی مسکرا دیں

عبادت ہے اک بے خودی سے عبارت
حرم کو مئے مُشک بُو سے بسا دیں

وہ آئیں گے آج اے بہارِ محبت ستاروں کے بستر پہ کلیاں بچھا دیں
بناتا ہے منہ تلخیٔ مے سے زاہد! تجھے باغِ رضواں سے کوثر منگا دیں
جنہیں عمر بھر یاد آنا سکھایا وہ دل سے تری یاد کیوں کر بھلا دیں؟
تم افسانۂ قیس کیا پوچھتے ہو اِدھر آؤ، ہم تم کو لیلےٰ بنا دیں
یہ بے دردیاں کب تک اے دردِ غربت؟ بتوں کو پھر ارضِ حرم میں بسا دیں
وہ سرمستیاں بخش اے رشکِ شیریں کہ خسرو کو خوابِ عدم سے جگا دیں
ترے وصل کی بےخودی کہہ رہی ہے خدائی تو کیا ہم خدا کو بھلا دیں

اُنہیں اپنی صورت پہ یُوں ناز کب تھا
مرے عشقِ رُسوا کو اختر دُعا دیں

کِس کی آنکھوں کا لِئے دل پہ اثر جاتے ہیں

کِس کی آنکھوں کا لئے دل پہ اثر جاتے ہیں؟
میکدے ہاتھ بڑھاتے ہیں جِدھر جاتے ہیں

دل میں ارمانِ وصال، آنکھ میں طوفانِ جمال
ہوش باقی نہیں جانے کا مگر جاتے ہیں

بُھولتی ہی نہیں دل کو تری مستانہ نگاہ
ساتھ جاتا ہے یہ مےخانہ جِدھر جاتے ہیں

پاسبانانِ حیا کیا ہوئے اے دولتِ حُسن؟
ہم چُرا کر تری دزدیدہ نظر جاتے ہیں!

پرسشِ دل تو کجا یہ بھی نہ پوچھا اُس نے
ہم مسافر کدھر آئے تھے کدھر جاتے ہیں

چشمِ حیراں میں سمائے ہیں یہ کس کے جلوے
طور ہر گام پہ رقصاں ہیں جدھر جاتے ہیں

جس طرح بھولے مسافر کوئی ساماں اپنا
ہم یہاں بھول کے دل اور نظر جاتے ہیں

کتنے بے درد ہیں اس شہر کے رہنے والے
راہ میں چھین کے دل، کہتے ہیں گھر جاتے ہیں

اگلے وقتوں میں لٹا کرتے تھے رہرو اکثر
ہم تو اِس عہد میں بھی لُٹ کے مگر جاتے ہیں

فیض آباد سے پہنچا ہمیں یہ فیض اختر
کہ جگر پر لئے ہم داغِ جگر جاتے ہیں

عمر بھر کی تلخ بیداری کا ساماں ہوگئیں

عمر بھر کی تلخ بیداری کا ساماں ہوگئیں
ہائے وہ راتیں کہ جو خوابِ پریشاں ہوگئیں
میں فدا اس چاند سے چہرے پہ جس کے نور سے
میرے خوابوں کی فضائیں، یوسفستاں ہوگئیں
عمر بھر کم بخت کو پھر نیند آ سکتی نہیں
جس کی آنکھوں پر تری زلفیں پریشاں ہوگئیں

دل کے پردوں میں تھیں جو جو حسرتیں پردہ نشین
آج وہ آنکھوں میں آنسو بن کے عُریاں ہو گئیں

کچھ تجھے بھی ہے خبر او سونے والے ناز سے
میری راتیں لٹ گئیں، نیندیں پریشاں ہو گئیں

ہائے وہ مایوسیوں میں میری امیدوں کا رنگ
جو ستاروں کی طرح اُٹھ اُٹھ کے پنہاں ہو گئیں

بس کرو، او میری رونے والی آنکھو، بس کرو
اب تو اپنے ظلم پر وہ بھی پشیماں ہو گئیں

آہ، وہ دن، جو نہ آئے پھر گزر جانے کے بعد
ہائے وہ راتیں کہ جو خوابِ پریشاں ہو گئیں

گلشنِ دل میں کہاں آخر وہ رنگِ نو بہار
آرزوئیں چند کلیاں تھیں پریشاں ہو گئیں

جو بہاروں میں نہاں رنگِ خزاں دیکھتے ہیں

جو بہاروں میں نہاں رنگِ خزاں دیکھتے ہیں
دیدۂ دل سے وہی سیرِ جہاں دیکھتے ہیں

ایک پردہ ہے غموں کا جسے کہتے ہیں خوشی
ہم تبسّم میں نہاں، اشکِ رواں دیکھتے ہیں

دیکھتے دیکھتے کیا رنگ جہاں نے بدلے
دیدۂ اشک سے نیرنگِ جہاں دیکھتے ہیں

رات ہی رات کی مہماں تھی بہارِ رنگیں
پھر وہی صبح، وہی جورِ خزاں دیکھتے ہیں

ہر مسرّت ہے غمِ تازہ کی تمہید اے دل
نغمۂ شوق میں آثارِ فغاں دیکھتے ہیں

دل میں جینے کی تمنّا نہیں باقی اخترؔ
کوئی دن اور تماشائے جہاں دیکھتے ہیں

ناحق نہ دردِ عشق کی ہمدم دوا کریں

ناحق نہ دردِ عشق کی ہمدم دوا کریں
تا حشر یہ خلش نہ مٹے، یہ دُعا کریں

شکوے سے کی ہے نامۂ اُلفت کی ابتدا
جی چاہتا ہے آج پھر اُن کو خفا کریں

الزامِ پارسائی نہ آئے شباب میں
جو پارسا ہوں وہ مرے حق میں دُعا کریں

پچھلا پہر ہے، چاندنی چھٹکی ہے، باغ ہے

ایسے میں آپ آ نہیں سکتے ہیں، کیا کریں

وہ کیا ملا کہ دونوں جہاں مل گئے ہمیں

اب اُس کی بارگاہ میں ہم کیا دُعا کریں؟

بے تاب ہو کے سامنے آئیں گے خود کبھی

چھپنے کو ہم سے لاکھ ابھی وہ چھپا کریں

اختر نہیں ہے دردِ محبّت کا کچھ علاج

ہو کوئی اور درد تو تدبیر دوا کریں

لے آئے انقلابِ سپہرِ بریں کہاں

لے آئے انقلابِ سپہرِ بریں کہاں!
اللہ ہم کہاں وہ ثریّا جبیں کہاں؟

در ہے نہ آستاں، نہ حرم ہے نہ بتکدہ
یارب مچل پڑی ہے ہماری جبیں کہاں؟

سورج کی سب سے پہلی کرن خوشنما سہی
لیکن تری نظر کی طرح دلنشیں کہاں؟

دامنِ کشِ نظر ہے کسی کا حریمِ ناز
دُنیا میں آ گئی یہ بہشتِ بریں کہاں ؟

آنکھوں نے ذرّے ذرّے پہ سجدے لُٹائے ہیں
کیا جانے جا چھپا مرا پردہ نشیں کہاں ؟

کوثر پلا کے ہم سے نہ حوریں کریں مذاق
ہم رندِ تلخ نوش کہاں، انگبیں کہاں ؟

زاہد تری بہشت میں حوریں سہی مگر
ہم جس کو چاہتے ہیں وہ زہرہ جبیں کہاں ؟

ساقی کی چشمِ مست کا صدقہ ہے ورنہ شیخ
اختر کہاں، یہ شعلۂ مینا نشیں کہاں ؟

میخانۂ حیات میں کیا آرمیدہ ہوں

میخانۂ حیات میں کیا آرمیدہ ہوں
بزمِ ازل کا ساغرِ راحت چشیدہ ہوں

آغازِ عشق ہی مجھے انجامِ عشق ہے
ہیں دامنِ نسیم پہ اشکِ چکیدہ ہوں

تصویرِ خاک میں مجھے ظاہر کیا ہے کیوں؟
میں نو بہارِ قدس کا رنگِ پریدہ ہوں

ہوں گلستانِ غم کا گُلِ داغدار میں
یا نونہالِ درد کی شاخِ بریدہ ہوں

اس دامگاہِ دہر میں کیوں ہو گیا اسیر
میں شاخسارِ خلد کا مرغِ پریدہ ہوں

میرے سکوت پر نہیں کچھ ضبطِ دل گراں
میں کاروانِ عشق کی صوتِ شنیدہ ہوں

آخر یہ فیصلہ ہے نبردِ حیات کا
ہو جاؤں گا فنا کہ فنا آفریدہ ہوں

مری شامِ غم کو وُہ بہلا رہے ہیں

مری شامِ غم کو وہ بہلا رہے ہیں
لکھا ہے یہ خط میں کہ ہم آ رہے ہیں
وہ بے اختیار آج یاد آ رہے ہیں
ہمارے تصوّر کو مہکا رہے ہیں
محبّت کے جلوے نظر آ رہے ہیں
نگاہوں سے پردے اُٹھے جا رہے ہیں

نہیں شکوہ تشنگی میکشوں کو
وہ آنکھوں سے میخانے برسا رہے ہیں
غم عاقبت ہے نہ فکرِ قیامت
پئے جا رہے ہیں، جئے جا رہے ہیں
انہیں کون کہتا ہے ابرِ خراماں
یہ جو میکدے سے اُڑے آ رہے ہیں
ٹھہر جا ذرا اور اے دردِ فرقت
ہمارے تصور میں وہ آ رہے ہیں
وہ جانِ بہار آج آئے گی اختر
کنول حسرتوں کے کھلے جا رہے ہیں

کبھی کاش رحم کا بھی اثر ملے چشمِ فتنہ نگاہ میں

کبھی کاش رحم کا بھی اثر ملے چشمِ فتنہ نگاہ میں
کہ کوئی گدا ہے پڑا ہوا ترے درِ عشق کی راہ میں

نہیں عذر، زاہدو لاکھ مرتبہ جائیں طوفِ حرم کو ہم
مگر ایک شرط ہے میکدہ نہ ملا کرے ہمیں راہ میں

نہیں یاد عیش و ملالِ عمرِ گزشتہ کی کوئی داستاں
مگر آہ چند وہ ساعتیں جو بسر ہوئی ہیں گناہ میں

جو مزاجِ دل نہ بدل سکا تو مذاقِ دھر کا کیا گِلہ
وہی تلخیاں ہیں ثواب میں، وہی لذّتیں ہیں گناہ میں

گِلۂ ستم کی مجال تو ہے پر آہ اس کو میں کیا کروں
یہ جو ایک بجلی سی بے قرار ہے اُن کی نیچی نگاہ میں

مجھے انقلابِ زمانہ کا ہو یقین آئے تو کس طرح
وہی درد ہے مری آہ میں، وہی ناز تیری نگاہ میں

بخدا کہ دونوں جہان میں کوئی اس سے بڑھ کے خوشی نہ تھی
اگر ایک تلخیٔ انفعال کی حِس نہ ہوتی گناہ میں

لا پلا ساقی شرابِ ارغوانی پھر کہاں

لا پلا ساقی، شرابِ ارغوانی پھر کہاں
زندگانی پھر کہاں، ناداں جوانی پھر کہاں؟
دو گھڑی مل بیٹھنے کو بھی غنیمت جانئے
عمر فانی ہی سہی، یہ عمرِ فانی پھر کہاں؟
آ کہ ہم بھی اک ترانہ جھوم کر گاتے چلیں
اس چمن کے طائروں کی ہمزبانی پھر کہاں؟

ہے زمانہ، عشقِ سلمیٰ میں گنوا دے زندگی!

یہ زمانہ پھر کہاں، یہ زندگانی پھر کہاں؟

ایک ہی بستی میں ہیں، آساں ہے ملنا، آملو

کیا خبر لے جائے، دورِ آسمانی پھر کہاں؟

فصلِ گُل جانے کو ہے، دَورِ خزاں آنے کو ہے

یہ چمن، یہ بلبلیں، یہ نغمہ خوانی پھر کہاں؟

پھول چُن، جی کھول کر عیش و طرب کے پھول چُن

موسمِ گُل پھر کہاں، فصلِ جوانی پھر کہاں؟

آخری رات آگئی، جی بھر کے مل لیں آج تو

تم سے ملنے دے گا، دَورِ آسمانی پھر کہاں؟

آج آئے ہو تو سنتے جاؤ، یہ تازہ غزل

ورنہ اخترؔ پھر کہاں، یہ شعر خوانی پھر کہاں؟

دلِ دیوانہ و اندازِ بیباکانہ رکھتے ہیں

دلِ دیوانہ و اندازِ بے باکانہ رکھتے ہیں
گدائے میکدہ ہیں وضع آزادانہ رکھتے ہیں

مجھے میخانہ، تھرّاتا ہوا محسوس ہوتا ہے
وہ میرے سامنے شرما کے جب پیمانہ رکھتے ہیں

تری عالی جنابی سے ہو کس کو عشق کی جرأت
خدا کا شکر ہے ہم شمع بے پروانہ رکھتے ہیں

گھٹائیں بھی تو بہکی جا رہی ہیں ان اداؤں پر
چمن میں جو قدم رکھتے ہیں وہ مستانہ رکھتے ہیں

بظاہر ہم ہیں بلبل کی طرح مشہور، ہرجائی
مگر دل میں گدازِ فطرتِ پروانہ رکھتے ہیں

جوانی بھی تو اک موجِ شرابِ تند و رنگیں ہے
بُرا کیا ہے اگر ہم مشربِ رندانہ رکھتے ہیں

کسی مغرور کے آگے ہمارا سر نہیں جھکتا
فقیری میں بھی اخترؔ غیرتِ شاہانہ رکھتے ہیں

کیا جانے جا چھپی وہ مری یاسمن کہاں

کیا جانے جا چھپی وہ مری یاسمن کہاں؟
شامِ چمن، بتا کہ ہے ماہِ چمن کہاں؟

دیدارِ برقِ جلوہ نہ تھا اِس قدر محال
حاصل ہوا ہے رنگِ گل و یاسمن کہاں!

کہتا ہے یہ سکوتِ لبِ لالہ ہائے طور
سوزِ جگر کہاں، سر و برگِ سخن کہاں!

خلوت نشینیوں سے نہیں فیض، خلق کو
چشمہ کہاں روانیٔ گنگ و جمن کہاں

اے دردِ دل یہ تو نے دکھایا ہے کیا اثر
وہ گلبدن کہاں، مرادار المحن کہاں؟

رنگِ بہارِ یاسمن و گل حسیں سہی
لیکن وہ یاسمن رخ و گل پیرہن کہاں

ہم تلخ کامیوں کا گلہ کس طرح کریں — مانا کہ آپ سا کوئی شیریں دہن کہاں

یہ سچ کہ ہے بہارِ چمن، جانفزا مگر — جس کی تلاش ہے وہ بہارِ چمن کہاں؟

نورِ کمال چھپ نہیں سکتا، حجاب میں — خوشبو بتاتی ہے کہ کھلی ہے سمن کہاں!

ہو جاتی ہے خیال سے گم انجمن تمام — وہ آگئے خیال میں تو انجمن کہاں!

کیسا ہی دیں فریب گل و لالہ و سمن — ہم جس کو ڈھونڈتے ہیں وہ جانِ چمن کہاں؟

مجبور ہو کے اُن کو بھی کہنا پڑا ندیم
اختر سا اور ہند میں شیریں سخن کہاں؟

مَیں آرزوئے جاں لکھوں یا جانِ آرزو

مَیں آرزوئے جاں لکھوں، یا جانِ آرزو؟
تُو ہی بتا دے ناز سے ایمانِ آرزو!

آنسو نکل رہے ہیں تصوّر میں بن کے پھُول
شاداب ہو رہا ہے گلستانِ آرزو

ایمان و جاں نثار تری اِک نگاہ پر
تُو جانِ آرزو ہے تُو ایمانِ آرزو!

مصرِ فراق کب تلک اے یوسفِ اُمید
روتا ہے تیرے ہجر میں کنعانِ آرزُو!
ہونے کو ہے طلوع صباحِ شبِ وصال
بجھنے کو ہے چراغِ شبستانِ آرزُو
اِک وہ کہ آرزوؤں پہ جیتے ہیں عُمر بھر
اِک ہم کہ ہیں ابھی سے پشیمانِ آرزُو
آنکھوں سے جُوئے خوں ہے رواں دِل ہے داغ داغ
دیکھے کوئی بہارِ گلستانِ آرزُو
دل میں نشاطِ رفتہ کی دُھندلی سی یاد ہے
یا شمعِ وصل ہے نہ داماںِ آرزُو
اختر کو زندگی کا بھروسا نہیں رہا
جب سے لُٹا چکے سر و سامانِ آرزُو

یاد آؤ مجھے لِلّٰہ نہ تم یاد کرو

یاد آؤ، مجھے لِلّٰہ نہ تم یاد کرو! اپنی اور میری جوانی کو نہ برباد کرو!
بستیاں اپنی، اٹک پار بسانے والو! کبھی راوی کے کناروں کو بھی دلشاد کرو!
خیبر اور اُس کے نواحی میں ٹہلنے والو! کبھی لاہور کے لارنس کو بھی یاد کرو!
سرحد اور اُس کے مناظر ہیں طربناک مگر کبھی پنجاب کے سینے کو بھی آباد کرو!
میرے پردیسیو! دیکھی ہے یہ کس دیس کی ریت؟ جو تمہیں یاد کرے تم نہ اُسے یاد کرو!
شرم رونے بھی نہ دے، بیکلی سونے بھی نہ دے اِس طرح تو مری راتوں کو نہ برباد کرو!

حد ہے پینے کی کہ خود پیرِ مغاں کہتا ہے
اِس بُری طرح جوانی کو نہ برباد کرو!

یاد آتے ہو بہت، دل سے بھلانے والو!
تم ہمیں یاد کرو، تم ہمیں کیوں یاد کرو!

آسماں رتبہ محل اپنے بنانے والو!
دل کا اُجڑا ہوا گھر بھی کوئی آباد کرو!

"ہم کبھی آئیں، ترے گھر مگر آئیں گے ضرور"
تم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ نہیں، یاد کرو!

چاندنی رات میں گلگشت کو جب جاتے تھے
آہ عذرا کبھی اُس وقت کو بھی یاد کرو!

میں بھی شائستۂ الطافِ ستم ہوں شاید
میرے ہوتے ہوئے کیوں غیر پہ بیداد کرو

صدقے اُس شوخ کے اختر، یہ لکھا ہے جس نے
عشق میں اپنی جوانی کو نہ برباد کرو!

کون آیا مرے پہلو میں یہ خواب آلودہ

کون آیا مرے پہلو میں یہ خواب آلودہ ؟
زلفِ برہم زدہ و چشمِ حجاب آلودہ
آہ یہ زلف ہے یا ابرِ سرِ مے خانہ
آہ یہ آنکھ ہے یا جامِ شراب آلودہ
کس نے پہلو میں بٹھایا یہ مجھے شرما کر
کس کے ہاتھوں میں ہے لرزش یہ حجاب آلودہ

کس کے ملبوس سے آتی ہے حنا کی خوشبو
کس کے ہر سانس کی جنبش ہے گلاب آلودہ

کس کو شکوہ ہے مرے عشق سے رسوائی کا
کس کا لہجہ ہے بایں لطف عتاب آلودہ

پھر ہم آغوشی کے موسم نے بکھیرے گیسو
پھر فضائیں نظر آتی ہیں سحاب آلودہ

حسرتِ بوسہ پہ اختر یہ خیال آتا ہے
کیوں مرے لب سے ہوں وہ برگِ گلاب آلودہ

میری آنکھوں پہ چھا گیا کوئی

میری آنکھوں پہ چھا گیا کوئی　　میرے دل میں سما گیا کوئی
دردِ دل کس طرح چھپاتے ہم　　آنکھوں آنکھوں میں پا گیا کوئی
ہم غریبوں کی کچھ نہیں سُنتا　　دل کو یہ کیا سکھا گیا کوئی
پھر تصوّر نے بھُولنا چاہا　　پھر تصوّر میں آ گیا کوئی
آنکھ بس خواب، دل فقط جذبہ!　　پردے پردے میں آ گیا کوئی

بخشش کر دل کو، ایک اپنی یاد — دل سے سب کچھ بھلا گیا کوئی
دیدۂ شوق کا خدا حافظ — خواب بن کر سما گیا کوئی
دل جسے بھولنا نہ چاہتا تھا — دل سے وہ کچھ بھلا گیا کوئی
سنگدلی ہونے پر یہ حالت تھی — میرے دل کو لبھا گیا کوئی

دلِ ناداں کا قصّہ کیا اختر
دلِ ناداں کو بھا گیا کوئی

بھلا کیوں کر نہ ہوں راتوں کو نیندیں بیقرار اُس کی

بھلا کیوں کر نہ ہوں راتوں کو نیندیں بے قرار اُس کی
کبھی لہرا چکی ہو جس پہ زُلفِ مشکبار اُس کی
اُمیدِ وصل پر، دل کو فریبِ صبر کیا دیجے
ادا وحشی صفت اُس کی، نظر بیگانہ وار اُس کی

محبّت تھی، مگر یہ بے قراری تو نہ تھی پہلے
الٰہی آج کیوں یاد آتی ہے بے اختیار اُس کی؟
تجھے تو عشقِ پیچاں، ایسے بل کھانے نہ آتے تھے؟
بتا کیا تجھ پہ لہرائی ہے زلفِ عطربار اُس کی؟
مئے اُلفت کے سرشاروں کو میخانے سے کیا مطلب؟
ادا، رُوحِ نشاط اُس کی، نظر جانِ بہار اُس کی
بُرا ہو اِس تغافل کا کہ تنگ آ کر یہ کہتا ہوں
مجھے کیوں ہو گئی اُلفت مرے پروردگار اُس کی؟
یہاں کیا دیکھنے ہو ناصحو، گھر میں دھرا کیا ہے؟
مرے دل کے کسی پردے میں ڈھونڈو یادگار اُس کی!
جفائے ناز کی میں نے شکایت، ہائے کیوں کی تھی
مجھے جلنے نہیں دیتی نگاہِ شرمسار اُس کی

ہمیں عرضِ تمنّا کی جسارت ہو تو کیوں کر ہو
نگاہیں فتنہ ریز اُس کی، ادائیں حشر بار اُس کی

کوئی کیوں کر بھلا دے، ہائے ایسے کی محبّت کو
وفائیں دل نواز اُس کی، جفائیں خوشگوار اُس کی

اِنہی کُوچوں میں کل اخترؔ کو رُسوا ہوتے دیکھا تھا
وہ آنکھیں اشکبار اُس کی، وہ باتیں دلفگار اُس کی

جھوم کر آئی ہے مستانہ گھٹا برسات کی

جھوم کر آئی ہے مستانہ گھٹا برسات کی
جی لبھاتی ہے نسیمِ جانفزا برسات کی

باغ کا ایک اک شجر ہے اِک عروسِ سبز پوش
جس کو آ کر گدگداتی ہے ہوا برسات کی

رحمتِ حق، ابر بن کر چار جانب چھا گئی
کب سے کرتے تھے دعائیں ہم لقا برسات کی

کوئلیں کوکیں، پپیہے پی کہاں کہنے لگے
نغموں سے لبریز ہے رنگیں فضا برسات کی

جھولتی ہیں تتلیوں کی طرح کم سِن مہوشیں
یا شگوفوں کو اُڑاتی ہے ہوا برسات کی

اِک طرف پھولوں کی آنکھوں میں اُمنڈ آئی بہار
اِک طرف رنگت دکھاتی ہے حنا برسات کی

سر سے ڈھلکے ہیں دوپٹے، بال بکھرے، سر کھُلے
چھیڑتی ہے نازنینوں کو ہوا برسات کی

شاخساروں سے ملہاروں کی صدا آنے لگی
کیا سُہانے گیت گاتی ہے گھٹا برسات کی

دل مچلتا ہے مرا اختر گھٹا کو دیکھ کر
آہ یہ کالی یہ متوالی گھٹا برسات کی

جھوم کر بدلی اُٹھی اور چھا گئی

جھوم کر بدلی اُٹھی اور چھا گئی
ساری دُنیا پہ جوانی آ گئی
آہ وہ اُس کی نگاہِ مے فروش
جب بھی اُٹھی مستیاں برسا گئی
گیسوئے مشکیں میں وہ روئے حسیں
ابر میں بجلی سی اک لہرا گئی

عالمِ مستی کی توبہ، الاماں
پارسائی نشہ بنکر چھا گئی

آہ اُس کی بے نیازی کی نظر
آرزو کیا پھول سی کمھلا گئی

سازِ دل کو گدگدایا عشق نے
موت کو لیکر جوانی آ گئی

پارسائی کی جواں مرگی نہ پوچھ
توبہ کرنی تھی کہ بدلی چھا گئی

اخترؔ اُس جانِ تمنّا کی ادا
جب کبھی یاد آ گئی تڑپا گئی

نہ وُہ خزاں رہی باقی نہ وُہ بہار رہی

نہ وہ خزاں رہی باقی نہ وہ بہار رہی
رہی تو میری کہانی ہی یادگار رہی

وہی نظر ہے نظر جو بایں ہمہ پستی
ستارہ گیر رہی، کہکشاں شکار رہی

شبِ بہار میں تاروں سے کھیلنے والے
کسی کی آنکھ بھی شب بھر ستارہ بار رہی

تمام عمر رہا گرچہ میں تہی پہلو
بسی ہوئی مرے پہلو میں بوئے یار رہی

کوئی عزیز نہ ٹھہرا ہمارے دفن کے بعد
رہی جو پاس تو شمعِ سرِ مزار رہی

وُہ پھول ہوں جو کھلا ہو خزاں کے موسم میں
تمام عمر مجھے حسرتِ بہار رہی

کبھی نہ بھولیں گی اُس شب کی لذتیں اختر
کہ میرے سینے پہ وہ زُلفِ مشکبار رہی

بہشتوں پہ ہنستی ہے دُنیائے فانی

بہشتوں پہ ہنستی ہے دُنیائے فانی جوانی کی راتیں ہیں کتنی سُہانی
ستم ہے کہ اے دل نہیں جاودانی حسینوں کا حُسن اور ہماری جوانی
یہ سبزہ، یہ بادل، یہ رت، یہ جوانی! کِدھر ہے مرا ساغرِ خسروانی
بھلا پھر کہاں ہم، کہاں نوجوانی پلا ساقیا بادۂ ارغوانی
ترا حُسن، پروردۂ رنگ و بُو ہے بہاروں میں کھیلی ہے تیری جوانی

صنم خانۂ سندھ خاموش کیوں ہے؟ — نہ وہ دلستاں ہیں نہ وہ دلستانی

مری بے خودی کو برا کہنے والے! — چھلکتی ہے ساغر میں کس کی جوانی

بہ حسرت رہی وہ کبھی آ کے سنتے — ہماری کہانی، ہماری زبانی

سرِ بام او محوِ خواب بہاریں — ستاروں پہ چھائی ہے تیری جوانی؟

مرا عشق بدنام ہے کیوں جہاں میں؟
ہے مشہور اخترؔ جوانی دوانی

اُس مہ جبیں سے آج مُلاقات ہو گئی

اُس مہ جبیں سے آج مُلاقات ہو گئی
بے دردِ آسمان! یہ کیا بات ہو گئی؟
آوارگانِ عشق کا مسکن نہ پوچھیے
پڑ رہتے ہیں وہیں پہ جہاں رات ہو گئی
ذکرِ شبِ وصال ہو کیا، قصّہ مختصر
جس بات سے وہ ڈرتے تھے وہ بات ہو گئی

مسجد کو ہم چلے گئے مستی میں بھول کر

ہم سے خطا یہ پیرِ خرابات ہو گئی!

پچھلے غموں کا ذکر ہی کیا، جب وہ مل گئے

اے آسماں، تلافیٔ مافات ہو گئی!

زاہد کو زندگی ہی میں کوثر چکھا دیا

رندوں سے آج یہ بھی کرامات ہو گئی!

بے چین رکھنے والے پریشاں ہوں خود نہ کیوں

آخر کو تیری زلف مری رات ہو گئی

جھولا جھلائیں چل کے حسینوں کو باغ میں

گجرات میں سنا ہے کہ برسات ہو گئی

کیا فائدہ اب اختر اگر پارسا بنے

جب ساری عمر نذرِ خرابات ہو گئی

وہ کہتے ہیں کہ ہم سے پیار کی باتیں نہیں اچھی

وہ کہتے ہیں کہ ہم سے پیار کی باتیں نہیں اچھی
کوئی سمجھائے یہ تکرار کی باتیں نہیں اچھی

تمہاری ہی طرح اغیار بھی اچھے سہی لیکن
ہمارے سامنے اغیار کی باتیں نہیں اچھی

شبِ وصل آپ کا عذر نزاکت کون مانے گا
کہے دیتے ہیں ہم تکرار کی باتیں نہیں اچھی

عدو کے ساتھ پھر فاتحہ اور میرے مدفن پہ
بہت اچھا مگر سرکار کی باتیں نہیں اچھی

ہماری زندگی کی کامیابی کی دعا اور تم
نہ چھیڑو، طالعِ بیمار کی باتیں نہیں اچھی

لکھیں تو اپنا حالِ دل انہیں کیوں کر لکھیں اخترؔ
وہ لکھتے ہیں کہ خط میں پیار کی باتیں نہیں اچھی

نہ سازِ مطرب نہ جامِ ساقی نہ وہ بہارِ چمن ہے باقی

نہ سازِ مطرب، نہ جام و ساقی، نہ وہ بہارِ چمن ہے باقی
نگاہِ شمعِ سحر کے پردے پہ نقشِ انجمن ہے باقی
زمانہ گزرا وہ یاسمن بُو، جدا ہوئی ہمکنار ہو کر
مگر ابھی تک ہمارے پہلو میں نکہتِ یاسمن ہے باقی
بھلا چکی دل سے شامِ غربت، ہر ایک نقشہ ہر ایک صورت
ہماری آنکھوں میں لیکن اب تک فروغِ صبحِ وطن ہے باقی

زمانہ بدلا، مٹی جوانی، نہ وہ محبّت، نہ زندگانی
بس ایک بھولی سی یاد ہے جو بہ رنگِ داغِ کہن ہے باقی
مٹا دیئے بے ستونِ چرخِ کہن نے شیریں لقا ہزاروں
مگر محبّت کے لب پہ اب بھی ترانۂ کوہ کن ہے باقی
حباب آسا محیطِ ہستی میں جو ہے مٹنے کو بن رہا ہے
ہے انقلاب اک نمود ایسی جو زیرِ چرخِ کہن ہے باقی
غمِ زمانہ کی سختیوں سے، ہوئی ہے پامال طبعِ اخترؔ
نہ وہ نشاطِ کہن ہے باقی، نہ وہ مذاقِ سخن ہے باقی

دلِ حزیں سے خلش کاریٔ ستم نہ گئی

دلِ حزیں سے خلش کاریٔ ستم نہ گئی
ابھی تک اُن کی نگاہوں سے خوئے رم نہ گئی

ملی نہ سعیٔ برہمن سے زاہدوں کی مُراد
چراغِ دَیر سے تاریکیٔ حرم نہ گئی

ہنوز عشق سے اندازِ بیکسی نہ چھُٹا
ہنوز حُسن سے رنگینیٔ ستم نہ گئی

بُتوں کو نکلے ہوئے مدّتیں ہوئیں لیکن
ہنوز فطرتِ بُت سازیٔ حرم نہ گئی

حرم میں حضرتِ زاہد نے لاکھ سر مارا
جبیں سے تیرگیٔ سجدۂ صنم نہ گئی

وہ میری شوخ نگاری پہ لکھتے ہیں اخترؔ
ابھی تک آپ کی گستاخیٔ قلم نہ گئی

نہ بھولیں گی کبھی اے ہمنشیں راتیں جوانی کی

نہ بھولیں گی کبھی اے ہمنشیں راتیں جوانی کی
وہ راتیں وہ ملاقاتیں وہ برساتیں جوانی کی

لبوں پر آہ، دل میں ڈھرکنیں، آنکھوں میں اشکِ خوں
جوانی لے کر آئی ہے یہ سوغاتیں جوانی کی

یہ مرجھائی ہوئی کلیاں نہیں بے نور آنکھیں ہیں
بسی تھیں جن کے خوابوں میں کبھی راتیں جوانی کی

غمِ دنیا ستم، افسردگیٔ دل قیامت ہے
سنا اے آرزوئے رفتہ پھر باتیں جوانی کی

ہوئی مدت پر اب بھی یاد آتی ہیں ہمیں اختر
وہ راتیں عاشقی کی، وہ مناجاتیں جوانی کی

اشکباری نہ مٹی، سینہ فگاری نہ گئی

اشکباری نہ مٹی، سینہ فگاری نہ گئی ۔۔۔ لالہ کاری، کسی صورت بھی ہماری نہ گئی
کوچۂ حسن چھٹا تو ہوئے رسوائے شراب ۔۔۔ اپنی قسمت میں جو لکھی تھی وہ خواری نہ گئی
اُن کی مستانہ نگاہوں کا نہیں کوئی قصور ۔۔۔ ناصحو، زندگی، ہم سے ہی سنواری نہ گئی
چشمِ محزوں پہ نہ لہرائی، وہ زُلفِ شاداب ۔۔۔ یہ پری ہم سے کبھی شیشے میں اتاری نہ گئی
مدّتیں ہو گئیں بچھڑے ہوئے تم سے، لیکن ۔۔۔ آج تک دل سے مرے یاد تمہاری نہ گئی
شاد و خنداں رہے ہم یوں تو جہاں میں لیکن ۔۔۔ اپنی فطرت سے مگر درد شعاری نہ گئی

سینکڑوں بار مرے سامنے کی توبہ، مگر
توبہ، اخترؔ کہ تری بادہ گساری نہ گئی

عشق کہ جس کے دین میں صبر و سکوں حرام ہے

عشق کہ جس کے دین میں صبر و سکوں حرام ہے
ایک نظر کا کام ہے، ایک اثر کا نام ہے

گلکدۂ مجاز میں جس کا بہشت نام ہے
اُس کی بہارِ حُسن کی نکہتِ ناتمام ہے

فکر و نظر کی عفّتیں رنگِ ہوس میں غرق ہیں
اب تو جہانِ عشق میں ذوقِ گناہ عام ہے

پائے طلب کے واسطے کوئی نئی زمیں بنا
وادئ مہر و ماہ تو لغزشِ نیم گام ہے

شان میں مے کی زاہد اب اسکے سوا میں کیا کہوں
میرے لئے حلال ہے، تیرے لئے حرام ہے

عشق میں سوگوار سا، بے خود و بے قرار سا
تم کو خبر ہو یا نہ ہو، اختر اُسی کا نام ہے

سما کر دل میں نظروں سے نہاں ہے

سما کر دل میں نظروں سے نہاں ہے
مجھے یاد آنے والے تُو کہاں ہے؟

خدائی کہکشاں کہتی ہے جس کو
وہ عذرا کا خرامِ رائیگاں ہے!

اندھیرے بادلوں سے پُوچھ زاہد!
مری کھوئی ہوئی توبہ کہاں ہے؟

یہ کس نے پیار کی نظروں سے دیکھا
کہ میرے دل کی دُنیا پھر جواں ہے

جوانی رائیگاں جائے تو اچھا
جوانی ایک خوابِ رائیگاں ہے

نہ بھول کر بھی تمنّائے رنگ و بُو کرتے

نہ بھول کر بھی تمنّائے رنگ و بُو کرتے
چمن کے پھول اگر تیری آرزو کرتے

جنابِ شیخ پہنچ جاتے، حوضِ کوثر تک
اگر شراب سے میخانے میں وضو کرتے

مسرّت! آہ تو بستی ہے کن ستاروں میں
زمیں پہ، عُمر ہوئی تیری جستجو کرتے

ایاغِ بادہ میں آکر وہ خود چھلک پڑتا
گر اُس کے مست ذرا اور ہاؤ ہو کرتے

اُنہیں مفر نہ تھا اقرارِ عشق سے لیکن
حیا کو ضد تھی کہ وہ پاسِ آبرو کرتے

پکار اُٹھتا وہ آکر دلوں کی دھڑکن میں
ہم اپنے سینے میں گر اس کی جستجو کرتے

غمِ زمانہ نے مجبور کر دیا، ورنہ
یہ آرزو تھی کہ بس تیری آرزو کرتے

گراں تھا ساقیٔ دوراں پہ ایک ساغر بھی
تو کس اُمید پہ ہم خواہشِ سبو کرتے

جنونِ عشق کی تاثیر تو یہ تھی اخترؔ
کہ ہم نہیں وہ خود اظہارِ آرزو کرتے

کیا کہہ گئی کسی کی نظر کچھ نہ پُوچھیے

کیا کہہ گئی کسی کی نظر کچھ نہ پُوچھیے
کیا کچھ ہُوا ہے دل پہ اثر کچھ نہ پُوچھیے

جُھکتی ہوئی نظر سے وُہ اُٹھتا ہُوا سا عشق
اُف وہ نظر، وہ عشق مگر کچھ نہ پُوچھیے

وہ دیکھنا کسی کا کنکھیوں سے بار بار
وہ بار بار اُس کا اثر کچھ نہ پُوچھیے

رو رو کے کس طرح سے کٹی رات، کیا کہیں
مر مر کے کیسے کی ہے سحر، کچھ نہ پُوچھیے

آخر دیارِ حُسن میں پہنچے ہیں مر کے ہم
کیوں کر ہُوا ہے طے یہ سفر کچھ نہ پُوچھیے

ہم دُعائیں کرتے ہیں جن کے لِئے

ہم دُعائیں کرتے ہیں جن کے لئے
کاش وہ مل جائیں اک دن کے لئے
میرے ارمانوں سے کہتی ہے اجل
اس قدر سامان، دو دِن کے لئے
وہ غیور اور پاسِ رسوائی ہمیں
کیا بتائیں مر مٹے کن کے لئے

موت لینے آگئی، جانا پڑا
زندگی لائی تھی اس دن کے لئے

اُن کی صحبت کا تصوّر اور ہم
زندگی دھوکا تھی کچھ دِن کے لئے

اُن کو ارماں ہے ہماری موت کا
مر مٹے اے زندگی جن کے لئے

اُن کو رحم آہی گیا، آہی گئے
حسرتیں مضطر تھیں اس دن کے لئے

اس زمیں میں لکھّی اخترؔ نے غزل
سندھ کی اک شوخ کم سن کے لئے

اُن رس بھری آنکھوں میں حیا کھیل رہی ہے

اُن رس بھری آنکھوں میں حیا کھیل رہی ہے
دو زہر کے پیالوں پہ قضا کھیل رہی ہے

ہیں نرگس و گُل کس لئے مسحورِ تماشا
گلشن میں کوئی شوخ ادا کھیل رہی ہے

اُس بزم میں جائیں تو یہ کہتی ہیں ادائیں
کیوں آئے ہو؟ کیا سر پہ قضا کھیل رہی ہے

خاموش رہ، خاموش! ذرا شورِ قیامت
کانوں میں وہ مستانہ صدا کھیل رہی ہے

اُس چشمِ سیہ مست پہ گیسو ہیں پریشاں
میخانے پہ گھنگھور گھٹا کھیل رہی ہے

بدمستی میں تم نے اُنھیں کیا کہہ دیا اخترؔ
کیوں شوخ نگاہوں میں حیا کھیل رہی ہے؟

دیوانہ کر دیا ہے غمِ انتظار نے

دیوانہ کر دیا ہے غمِ انتظار نے
اب تک خبر نہ لی مری غفلت شعار نے

بیمارِ شامِ ہجر کے آنسو نکل پڑے
کیا کہہ دیا ستارۂ شب زندہ دار نے

مخمورِ خواب بسترِ گل سے اُٹھے ہیں وہ
انگڑائی لی ہے باغ میں صبحِ بہار نے

پھولوں سے ہیں لدی ہوئی سرسبز ڈالیاں
کیا چھاؤنی سی چھائی ہے فصلِ بہار نے

دنیا کے فکر، دین کی باتیں، خدا کی یاد
سب کچھ بھلا دیا ترے دو دن کے پیار نے

توبہ بھلائے دیتی تھی پیرِ مغاں کا گھر
اُٹھ کر بتا دیا ہمیں ابرِ بہار نے

اوروں کی کیا خود اپنی بھی سُدھ بُدھ نہیں رہی
دُنیا سے کھو دیا ہمیں ظالم کے پیار نے

مسحور کر لئے ہیں بتانِ حرم کے دل
اختؔر ہمارے خامۂ رنگیں نگار نے

اُٹھ اور شکوے نہ کر جورِ آسمانی کے

اُٹھ اور شکوے نہ کر جورِ آسمانی کے
ستارہ وار کِھلا پھول شادمانی کے
خزاں کی طرح نہ کر رنج خانہ ویرانی
بہار بن کے سکھا رنگ گلفشانی کے
فغانِ قیس غلط، شورِ کوہکن بے کار
ہیں آج اور ہی انداز خونفشانی کے

چمن میں دیکھتا ہوں جب بھی لالہ و گُل کو
نظر میں پھرتے ہیں نقشے تری جوانی کے
جنابِ خضرؑ جنہیں آج تک سمجھ نہ سکے
وہ راز ہیں ہمیں معلوم زندگانی کے
وہ رات، آہ ترے گیسوؤں کی چھاؤں کی رات
ستارے آج بھی شاہد ہیں اُس کہانی کے
گُلِ فسردہ و شمعِ مزار و نجمِ سحر
یہ نقش ہیں مری اُجڑی ہوئی جوانی کے
کبھی عروج ہوا ہے کبھی زوال نصیب
عجیب رنگ ہیں اختر جہانِ فانی کے

شرحِ غمہائے زمانہ سُن لے

شرحِ غمہائے زمانہ سُن لے
اپنی زلفوں کا فسانہ سُن لے

کتنی غمگین ہے شرحِ خاموش
قصّۂ بزمِ شبانہ سُن لے

چاندنی اور یہ سُہانی راتیں
آ کے فرقت کا فسانہ سُن لے

سوزِ غم، اِک ابدی لذّت ہے
سازِ ہستی کا ترانہ سُن لے

اُس کا وصل اور ہماری قسمت
کہیں اختر نہ زمانہ سُن لے

آشنا ہو کر تغافل آشنا کیوں ہو گئے؟

آشنا ہو کر تغافل آشنا کیوں ہو گئے؟
با وفا تھے تم، تو آخر بے وفا کیوں ہو گئے؟
اور بھی رہتے ابھی کچھ دن نظر کے سامنے
دیکھتے ہی دیکھتے، ہم سے خفا کیوں ہو گئے؟
اُن وفاداری کے وعدوں کو الٰہی کیا ہوا؟
وہ وفائیں کرنے والے، بیوفا کیوں ہو گئے؟

کس طرح دل سے بُھلا بیٹھے ہماری یاد کو؟
اِس طرح پردیس جا کر بے وفا کیوں ہو گئے؟

تم تو کہتے تھے کہ ہم تجھ کو نہ بھولیں گے کبھی
بُھول کر ہم کو تغافل آشنا کیوں ہو گئے؟

ہم تمہارا دردِ دل سُن سُن کے ہنستے تھے کبھی
آج روتے ہیں کہ یُوں درد آشنا کیوں ہو گئے؟

چاند کے ٹکڑے بھی نظروں میں سما سکتے نہ تھے
کیا بتائیں ہم ترے در کے گدا کیوں ہو گئے؟

یہ جوانی، یہ گھٹائیں، یہ ہوائیں، یہ بہار
حضرتِ اختر ابھی سے پارسا کیوں ہو گئے؟

عمرِ فانی کی ذرا قدر نہ جانی ہم نے

عمرِ فانی کی ذرا قدر نہ جانی ہم نے
خواب کی طرح سے کھوئی ہے جوانی ہم نے

جو کبھی خواب میں بھی آئیں تو کملا جائیں
ایسی پریوں میں گزاری ہے جوانی ہم نے

بھول کر بھی کبھی آیا نہ گناہوں کا خیال
ابر کی طرح لٹائی ہے جوانی ہم نے

رو دیئے دیکھ کر اُس پردہ نشیں کو اختر
اپنی آنکھوں سے کہی دل کی کہانی ہم نے

کس کو دیکھا ہے یہ ہُوا کیا ہے؟

کس کو دیکھا ہے، یہ ہُوا کیا ہے؟
دل دھڑکتا ہے ماجرا کیا ہے؟

اِک محبت تھی، مِٹ چکی یا رب!
تیری دُنیا میں اب دھرا کیا ہے؟

دِل میں لیتا ہے چٹکیاں کوئی
ہائے اِس درد کی دوا کیا ہے؟

حُوریں نیکوں میں بٹ چکی ہونگی
باغِ رِضواں میں اب رکھا کیا ہے؟

اُس کے عہدِ شباب میں جینا!
جینے والو، تمہیں ہُوا کیا ہے؟

اب دوا کیسی؟ ہے دُعا کا وقت
تیرے بیمار میں رہا کیا ہے؟

یاد آتا ہے لکھنؤ اختر
خُلد ہو آئیں تو بُرا کیا ہے؟

اے صبا کون سے گلزار سے تو آتی ہے؟

اے صبا کون سے گلزار سے تُو آتی ہے؟
تجھ سے اُس غنچہ دہن کی مجھے بُو آتی ہے!

پاس فطرت کو ہے کتنا مری مے نوشی کا
جو کلی آتی ہے وہ لے کے سبو آتی ہے

رنگ و بُو کا پھر اُٹھا صحنِ چمن سے طوفاں
پھر کوئی گلبدن و غالیہ مُو آتی ہے

چاندنی رات کی تاثیر ہے یا نشّۂ مے
مجھکو ہر پھول سے اُس شوخ کی بُو آتی ہے

کچھ تو کہہ ہم سے کہاں آنکھ لڑی ہے اخترؔ
تیرے شعروں سے ہمیں عشق کی بُو آتی ہے!

ادائے پردہ کتنی دِلنشیں معلوم ہوتی ہے

ادائے پردہ کتنی دِلنشیں معلوم ہوتی ہے
پسِ پردہ کوئی ناز آفریں معلوم ہوتی ہے
نگاہِ ناز کتنی شرمگیں معلوم ہوتی ہے
کوئی محبوبۂ پردہ نشیں معلوم ہوتی ہے
لبِ خاموش میں پنہاں "نہیں" معلوم ہوتی ہے
نگاہِ اوّلیں ہی واپسیں معلوم ہوتی ہے
یہ کس کو دیکھ کر دیکھا ہے میں نے بزمِ ہستی کو
کہ جو شے ہے نگاہوں کو حسیں معلوم ہوتی ہے

تم اپنا آستاں اچھی طرح پہچان سکتے ہو
ہمیں تو یہ ہماری ہی جبیں معلوم ہوتی ہے

محبّت اِس طرح معلوم ہو جاتی ہے دُنیا کو
کہ یہ معلوم ہوتا ہے نہیں معلوم ہوتی ہے

سوادِ یاس میں اِک پرتوِ اُمّید کیا کہیئے
اندھیرے گھر میں کوئی مہ جبیں معلوم ہوتی ہے

کسی کا عشق آ پہنچا ہے رُسوائی کی منزل تک
نگاہِ شوخ، اب کچھ شرمگیں معلوم ہوتی ہے

نکالے جاتے ہیں اہلِ وفا، اغیار کے بدلے
ترے گھر کی زمیں، خُلدِ بریں معلوم ہوتی ہے

ہزاروں میں سے اک دل کو بھی خوش پاتے نہیں اخترؔ
خدائی کس قدر اندوہگیں معلوم ہوتی ہے

نسیمِ کُوئے یار آئے نہ آئے

نسیمِ کُوئے یار آئے نہ آئے
مرے دل کو قرار آئے نہ آئے

خزاں ہی سے نہ کیوں ہم دل لگا لیں
خدا جانے بہار آئے نہ آئے

کیا ہے آنے کا وعدہ تو اُس نے
مرے پروردگار، آئے نہ آئے

اُٹھا ساغر، پلا دے پھُول ساقی!
کہ پھر ابرِ بہار آئے نہ آئے

مجھے ہے اعتبارِ وعدہ لیکن
تمھیں خود اعتبار آئے نہ آئے

جب مِری قبر پہ وہ پھُول چڑھانے آئے

جب مری قبر پہ وہ پھول چڑھانے آئے
موت کی نیند کے ماتوں کو جگانے آئے

کوئی اُس وعدہ فراموش سے اتنا کہتا
آپ اب کس لئے رُوٹھوں کو منانے آئے

آ بسے شہرِ خموشاں میں، ملے خاک میں ہم
آپ کیوں خاک کو پھُولوں سے بسانے آئے

شمع کی طرح جلاتے تھے ہمیں فرقت میں
اب مری قبر پہ کیوں شمع جلانے آئے

ایک دن تھا کہ مجھے در سے اُٹھا دیتے تھے
اب دُعا کے لئے کیوں ہاتھ اُٹھانے آئے

جب میں روتا تھا مرے رونے پہ ہنس دیتے تھے
اب مری یاد میں کیوں اشک بہانے آئے

تم تو اِک دن مرے شکوے بھی نہ سُن سکتے تھے
اب مجھے کیوں غمِ دل اپنا سُنانے آئے

دل میں اب تک ہوسِ گلبدناں باقی ہے

دل میں اب تک ہوسِ گلبدناں باقی ہے
مٹ گئی عمرِ جواں، عشقِ جواں باقی ہے
جب تلک عشق کے ہونٹوں پہ فغاں باقی ہے
میرے نغموں کا زمانے میں نشاں باقی ہے
خیر زندہ ہے، نہیں خیر کے بانی زندہ
چل بسا پیرِ مغاں، دیرِ مغاں باقی ہے

ہے نہاں مرگِ شہادت میں حیاتِ ابدی
مٹنے والے تو مٹے، نام و نشاں باقی ہے
یاد کرتے نہیں خود اور ہمیں یاد آتے ہیں
مٹ گیا لطفِ عیاں، جورِ نہاں باقی ہے
کتنے ہی سال گزر جائیں میں یاد آؤں گا
تیرے در پر مرے سجدوں کا نشاں باقی ہے
سر سے اُلفت کا جنوں جا نہیں سکتا اختر
جب تلک سینے میں دل جسم میں جاں باقی ہے

خیالستانِ ہستی میں اگر غم ہے خوشی بھی ہے

خیالستانِ ہستی میں اگر غم ہے خوشی بھی ہے
کبھی آنکھوں میں آنسو ہیں کبھی لب پر ہنسی بھی ہے

اِنہی غم کی گھٹاؤں سے خوشی کا چاند نکلے گا
اندھیری رات کے پردے میں دن کی روشنی بھی ہے

یونہی تکمیل ہوگی حشر تک تصویرِ ہستی کی
ہر اک تکمیل آخر میں پیامِ نیستی بھی ہے

یہ وہ ساغر ہے صہبائے خودی سے پُر نہیں ہوتا
ہمارے جامِ ہستی میں سرشکِ بیخودی بھی ہے

بہار آئی ہے مستانہ گھٹا کچھ اور کہتی ہے

بہار آئی ہے مستانہ گھٹا کچھ اور کہتی ہے
مگر اُن شوخ نظروں کی حیا کچھ اور کہتی ہے

رہائی کی خبر کس نے اُڑا دی صحنِ گلشن میں
اسیرانِ قفس سے تو صبا کچھ اور کہتی ہے

بہت خوش ہے دلِ ناداں ہوائے کوئے جاناں میں
مگر ہم سے زمانے کی ہوا کچھ اور کہتی ہے

تو میرے دل کی سُن، آغوش بنکر کہہ رہا ہے کچھ
تری نیچی نظر تو جانے کیا کچھ اور کہتی ہے

مری جانب سے کہہ دینا صبا لاہور والوں سے
کہ اِس موسم میں دہلی کی ہوا کچھ اور کہتی ہے

بہت رنگینیاں ہیں یوں تو مہندی باغ میں لیکن
فرید آباد کی "رنگیں حنا" کچھ اور کہتی ہے

ہوئی مدت کہ مے نوشی سے توبہ کر چکے اختر
مگر دہلی کی مستانہ فضا کچھ اور کہتی ہے

وہ کبھی مل جائیں تو کیا کیجیے

وہ کبھی مل جائیں تو کیا کیجیے؟
رات دِن صورت کو دیکھا کیجیے
چاندنی راتوں میں اِک اِک پھول کو
بےخودی کہتی ہے سجدہ کیجیے
جو تمنّا بر نہ آئے عمر بھر
عمر بھر اُس کی تمنّا کیجیے

عشق کی رنگینیوں میں ڈوب کر

چاندنی راتوں میں رو یا کیجئے

پوچھ بیٹھے ہیں ہمارا حال وہ

بے خودی، تو ہی بتا کیا کیجئے

ہم ہی اُس کے عشق کے قابل نہ تھے

کیوں کسی ظالم کا شکوہ کیجئے

آپ ہی نے دردِ دل بخشا ہمیں

آپ ہی اس کا مداوا کیجئے

کہتے ہیں اختر وہ سُن کر میرے شعر

اس طرح ہم کو نہ رُسوا کیجئے

اگر وہ اپنے حسین چہرے کو بھول کر بے نقاب کر دے

اگر وہ اپنے حسین چہرے کو بھول کر بے نقاب کر دے
تو ذرّے کو ماہتاب اور ماہتاب کو آفتاب کر دے

تری محبت کی وادیوں میں مری جوانی سے دور کیا ہے
جو سادہ پانی کو اک نشیلی نظر میں رنگیں شراب کر دے

حریم عشرت میں سونے والے شمیم گیسو کی مستیوں سے
مری جوانی کی سادہ راتوں کو اب تو سرشارِ خواب کر دے

مزے وہ پائے ہیں آرزو میں کہ دل کی یہ آرزو ہے یارب
تمام دنیا کی آرزوئیں مرے لئے انتخاب کر دے

نظر نہ آنے پہ ہے یہ حالت کہ جنگ ہے شیخ و برہمن میں
خبر نہیں کیا سے کیا ہو دنیا جو خود کو وہ بے نقاب کر دے

مرے گناہوں کی شورشیں اس لئے زیادہ رہی ہیں یارب
کہ ان کی گستاخیوں سے تو اپنے عفو کو بے حساب کر دے

خدا نہ لائے وہ دن کہ تیری سنہری نیندوں میں فرق آئے
مجھے تو یوں اپنے ہجر میں عمر بھر کو بیزارِ خواب کر دے

میں جان و دل سے تصورِ حسنِ دوست کی مستیوں کے قرباں
جو اک نظر میں کسی کے بے کیف آنسوؤں کو شراب کر دے

عروسِ فطرت کا ایک کھویا ہوا تبسم ہے جس کو اختر
کہیں وہ چاہے شراب کر دے، کہیں وہ چاہے شباب کر دے

اُٹھا طوفاں ستاروں کی زمیں سے

اٹھا طوفاں ستاروں کی زمیں سے
لڑی ہے آنکھ کس زہرہ جبیں سے

نہ دیکھو اس نگاہِ شرمگیں سے
قیامت اُٹھنے والی ہے یہیں سے

مُبارک ہو تجھے، اے غیرتِ رشک
نہ اُٹھا بارِ غم اُس نازنیں سے

گھٹا کے ساتھ آنکھیں اُٹھ رہی ہیں
ہماری توبہ ٹوٹے گی یہیں سے

ہمیں رُسوا کیا پردے میں رہ کر
کوئی کہدے یہ اُس پردہ نشیں سے

نہ دولت ہے، نہ شوکت ہے نہ حُرمت
ہم اختر ہیں گدائے رہ نشیں سے

نہ چھیڑ زاہدِ ناداں شراب پینے دے

نہ چھیڑ زاہدِ ناداں شراب پینے دے

شراب پینے دے خانہ خراب پینے دے

ابھی سے اپنی نصیحت کا زہر دے نہ مجھے

ابھی تو پینے دے اور بےحساب پینے دے

میں جانتا ہوں چھلکتا ہوا گناہ ہے یہ

تو اس گناہ کو بے احتساب پینے دے

پھر ایسا وقت کہاں، ہم کہاں، شراب کہاں
طلسمِ دہر ہے نقشِ برآب پینے دے

مرے دماغ کی دُنیا کا آفتاب ہے یہ
مِلا کے برف میں یہ آفتاب پینے دے

کسی حسینہ کے بوسوں کے قابل اب نہ رہے
تو اِن لبوں سے ہمیشہ شراب پینے دے

سمجھ کے اُس کو غفور الرحیم پیتا ہوں
نہ چھیڑ ذکرِ عذاب و ثواب پینے دے

جو رُوح ہو چکی اِک بار دا غدار مری
تو اور ہونے دے لیکن شراب پینے دے

شراب خانے میں یہ شور کیوں مچایا ہے
خموش اخترِ خانہ خراب پینے دے

عشق کی مایوسیوں میں کھو چکے

عشق کی مایوسیوں میں کھو چکے
اے جوانی جا تجھے ہم رو چکے!

مقصدِ فصلِ جوانی تھا یہی
عشق میں ساری جوانی کھو چکے

میرا ویرانہ ترستا ہی رہا
پھول کھل کر بے نشاں بھی ہو چکے

داغِ حسرت ہے ابھی تک گرچہ ہم
آنسوؤں سے دل کا دامن دھو چکے

جاگ اے دل، آ گیا شہرِ فنا!
منزلِ ہستی ہیں کافی سو چکے

آج کی شب پھر کوئی یاد آ گیا
آج کی شب بھی ہم اختر سو چکے

مجھے اپنی پستی کی شرم ہے تری رفعتوں کا خیال ہے

مجھے اپنی پستی کی شرم ہے تری رفعتوں کا خیال ہے
مگر اپنے دل کو میں کیا کروں، اِسے پھر بھی شوقِ وصال ہے

اِس ادا سے کون یہ جلوہ گر سرِ بزمِ حسنِ خیال ہے
جو نفس ہے مستِ بہار ہے، جو نظر ہے غرقِ جمال ہے

اُنہیں ضد ہے عرضِ وصال سے مجھے شوقِ عرضِ وصال ہے
وہی اب بھی اُن کا جواب ہے، وہی اب بھی میرا سوال ہے

تری یاد میں ہوا جب سے گم، ترے گم شُدہ کا یہ حال ہے
کہ نہ دُور ہے نہ قریب ہے، نہ فراق ہے نہ وصال ہے

تری بزم، خلوتِ لامکاں، ترا آستاں مہ و کہکشاں
مگر اے ستارۂ آرزو، مجھے آرزوئے وصال ہے

میں وطن میں رہ کے بھی بے وطن کہ نہیں ہے ایک بھی ہم سخن
ہے کوئی شریکِ غم و محن تو وہ اِک نسیمِ شمال ہے

میں بتاؤں واعظِ خوش نوا، ہے جہان و خُلد میں فرق کیا؟
یہ اگر فریبِ خیال ہے، وہ فریبِ حُسنِ خیال ہے

یہی دادِ قصّۂ غم ملی کہ نظر اُٹھی، نہ زباں ہلی
فقط اک تبسّمِ شرمگیں مری بےکسی کا مآل ہے

وہ خوشی نہیں ہے وہ دل نہیں مگر اُن کا سایہ سا ہمنشیں
فقط ایک غمزدہ یاد ہے، فقط اک فسُردہ خیال ہے

کہیں کس سے اخترِ بےنوا ہمیں بزمِ دہر سے کیا ملا
وہی ایک ساغرِ زہرِ غم جو حریفِ نوشِ کمال ہے

زمانِ ہجر مٹے، دَورِ وصلِ یار آئے

زمانِ ہجر مٹے، دَورِ وصلِ یار آئے
الٰہی اب تو خزاں جائے اور بہار آئے

ستم ظریفیٔ فطرت، یہ کیا معمّا ہے
کہ جس کلی کو بھی سونگھوں میں، لیئے یار آئے

چمن کی ہر کلی، آمادۂ تبسّم ہے
بہار بن کے مری جان تو بہار آئے

ہیں تشنہ کام ہم ان بادلوں سے پوچھے کوئی
کہاں بہار کی پریوں کے تخت اُتار آئے

کسی کا شکوہ عیش یہ دُعائیں مانگ اے دل
کہ اب ملیں تو ہمیں اس قدر نہ پیار آئے

ترے خیال کی بے تابیاں معاذ اللہ
کہ ایک بار بھلائیں تو لاکھ بار آئے

گھٹا وہ اُٹھّی ہے پھر بمبئی کے ساحل سے
کہ مجھ تلک اگر آئے تو مشکبار آئے

وہ آئیں یوں مرے آغوشِ عشق میں اختر
کہ جیسے آنکھوں میں اِک خوابِ بیقرار آئے

سوئے کلکتہ جو ہم با دلِ دیوانہ چلے

سوئے کلکتہ جو ہم با دلِ دیوانہ چلے
گنگناتے ہوئے اِک شوخ کا افسانہ چلے

شہرِ سلمیٰ ہے سرِ راہ، گھٹائیں ہمراہ
ساقیا آج تو دورِ مئے و پیمانہ چلے

اِس طرح ریل کے ہمراہ رواں ہے بادل
ساتھ جیسے کوئی اُڑتا ہوا میخانہ چلے

شہرِ جاناں میں اُترنے کی تھی ہم پہ قدغن
یوں چلے جیسے کوئی شہر سے بیگانہ چلے

گرچہ تنہا تھے مگر اُن کے تصوّر کے نثار
اپنے ہمراہ لئے ایک پری خانہ چلے
کھیل اُمّید کے دیکھو کہ نہ کی اُن کو خبر
پھر بھی ہم منتظرِ جلوۂ جانانہ چلے
اُن کا پیغام نہ لائے ہوں یہ رنگین بادل
ورنہ کیوں ساتھ مرے بیخود و مستانہ چلے
گھر سے با عشرتِ شاہانہ ہم آئے تھے مگر
اُن کے کوچے سے چلے جب تو فقیرانہ چلے
بادلو، خدمتِ سلمیٰ میں یہ کہہ دو جا کر
کہ ترے شہر میں ہم آکے غریبانہ چلے
حسرت و شوق کے عالم میں چلے یوں اختؔر
مُسکراتا ہُوا جیسے کوئی دیوانہ چلے

مری آنکھوں سے ظاہر خوں فشانی اب بھی ہوتی ہے

مری آنکھوں سے ظاہر خوں فشانی اب بھی ہوتی ہے
نگاہوں سے بیاں دل کی کہانی اب بھی ہوتی ہے

بہشتوں سے خفا دنیائے فانی اب بھی ہوتی ہے
جنوں کو حرصِ عمرِ جاودانی اب بھی ہوتی ہے

سرور آرا شرابِ ارغوانی اب بھی ہوتی ہے
مرے قدموں میں دنیا کی جوانی اب بھی ہوتی ہے

کوئی جھونکا تو لاتی، اے نسیم اطرافِ کنعاں تک
سوادِ مصر میں عنبر فشانی اب بھی ہوتی ہے

وہ شب کو مشکبو پردوں میں چھپ کر آ ہی جاتے ہیں
مرے خوابوں پر ان کی مہربانی اب بھی ہوتی ہے

کہیں سے ہات آ جائے تو ہم کو بھی کوئی لا دے
سنا ہے اس جہاں میں شادمانی اب بھی ہوتی ہے

ہلال و بدر کے نقشے سبق دیتے ہیں انساں کو
کہ ناکامی بنائے کامرانی، اب بھی ہوتی ہے

کہیں اغیار کے خوابوں میں چھپ چھپکر نہ جاتے ہوں
وہ پہلو میں ہیں لیکن بدگمانی، اب بھی ہوتی ہے

سمجھتا ہے شکستِ توبہ، اشکِ توبہ کو زاہد
مری آنکھوں کی رنگت ارغوانی، اب بھی ہوتی ہے

وہ برساتیں، وہ باتیں، وہ ملاقاتیں کہاں ہمدم
وطن کی رات ہونے کو سہانی، اب بھی ہوتی ہے

خفا ہیں، پھر بھی آ کر چھیڑ جاتے ہیں تصوّر میں
ہمارے حال پر کچھ مہربانی، اب بھی ہوتی ہے

زباں ہی میں نہ ہو تاثیر تو میں کیا کروں، ناصح!
تری باتوں سے پیدا سرگرانی، اب بھی ہوتی ہے

تمہارے گیسوؤں کی چھاؤں میں اک رات گزری تھی
ستاروں کی زباں پر یہ کہانی، اب بھی ہوتی ہے

پسِ توبہ بھی پی لیتے ہیں، جامِ غنچہ و گُل سے
بہاروں میں جنوں کی میہمانی، اب بھی ہوتی ہے

کوئی خوش ہو، مری مایوسیاں فریاد کرتی ہیں
الٰہی! کیا جہاں میں شادمانی، اب بھی ہوتی ہے

بُتوں کو کر دیا تھا جس نے مجبورِ سخن اختؔر
لبوں پر وُہ نوائے آسمانی، اب بھی ہوتی ہے

جھنڈے گڑے ہیں باغ میں ابرِ بہار کے

جھنڈے گڑے ہیں باغ میں ابرِ بہار کے
قرباں جاؤں رحمتِ پروردگار کے
گلشن میں چند راتیں خوشی کی گزار کے
ابرِ رواں کے ساتھ گئے دن بہار کے
وہ رنگ اب کہاں چمنِ روزگار کے
بلبل کے نغمے ہیں نہ ترانے ہزار کے
رسوائی کے دن آئے کسی میگسار کے
آنے لگے سلام چمن سے بہار کے

بے تاب ولولے ہیں ترے انتظار کے

آ اے مری بہار دن آئے بہار کے

ابرِ سیہ میں برقِ حسیں لہلہا اُٹھی

یا آ گئے وہ سامنے گیسو سنوار کے

اے ابر لے سنبھال کہ ہم ہاتھ سے چلے

اے توبہ الوداع دِن آئے بہار کے

باغوں پہ جھوم جھوم کے بادل نہیں اُٹھے

گیسو بکھر رہے ہیں عروسِ بہار کے

آؤ کہ ایسا وقت نہ پاؤ گے پھر کبھی

آتے ہیں روز روز کہاں دِن بہار کے

اختر کسی کے گھر سے اِس انداز سے چلے

جیسے گزار آئے ہوں دن سب بہار کے

غمِ زمانہ نہیں اک عذاب ہے ساقی

غمِ زمانہ نہیں اک عذاب ہے ساقی
شراب لا مری حالت خراب ہے ساقی

شباب کے لئے توبہ عذاب ہے ساقی
شراب لا مجھے پاسِ شباب ہے ساقی

اٹھا پیالہ کہ گلشن پہ پھر برسنے لگی
وہ مے کہ جس کا قدح ماہتاب ہے ساقی

نکال پردۂ مینا سے دخترِ رز کو
گھٹاؤں میں کس لئے یہ ماہتاب ہے ساقی

تُو واعظوں کی نہ سن مے کشوں کی خدمت کر
گنہ ثواب کی خاطر ثواب ہے ساقی

زمانہ بھر کے غموں کو ہے دعوتِ غرّا
کہ ایک جام میں سب کا جواب ہے ساقی

کلام جس کا ہے معراجِ حافظ و خیام
یہی وہ اخترِ خانہ خراب ہے ساقی

رُباعیات

عید آئی ہے عیش و نوش کا ساماں کر
اِک ساقیٔ گلعذار کو مہماں کر
قربانی ہے واجب آج اختر تو بھی
توبہ کو خدا کے نام پر قرباں کر

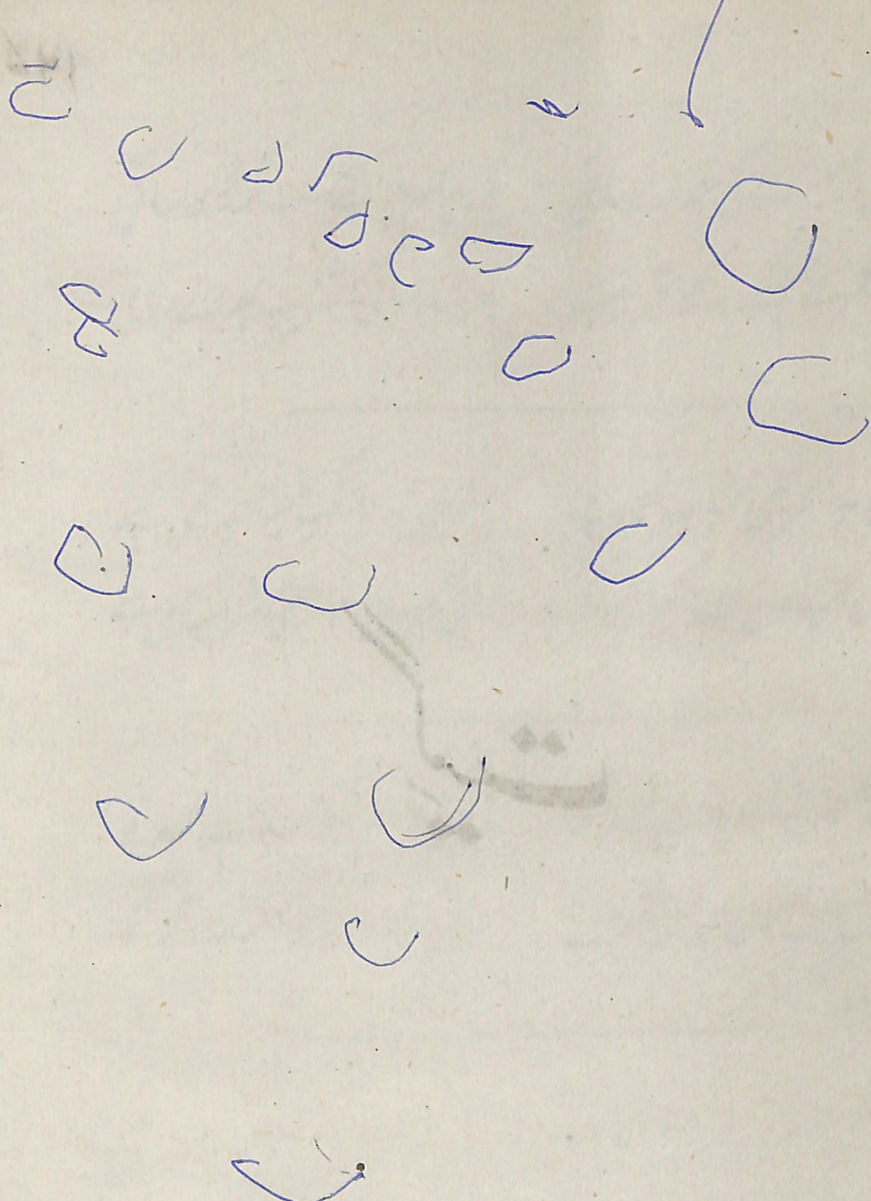
میخانہ بدوش ہیں گھٹائیں ساقی!
پیمانہ فروش ہیں فضائیں ساقی
اِک جام پلا کے مست کر دے مجھ کو
غارتگرِ ہوش ہیں ہوائیں ساقی

رِندوں کو بہشت کی خبر دے ساقی — اِک جام پلا کے مست کر دے ساقی
پیمانۂ عمر ہے چھلکنے کے قریب — بھر دے ساقی، شراب بھر دے ساقی

موسم بھی ہے عمر بھی شباب بھی ہے — پہلو میں وہ رشکِ ماہتاب بھی ہے
دُنیا میں اب اور چاہیئے کیا مجھ کو — ساقی بھی ہے ساز بھی شراب بھی ہے

جنّت کا سماں دکھا دیا ہے مجھ کو — کونین کا غم بُھلا دیا ہے مجھ کو
کچھ ہوش نہیں کہ ہُوں میں کس عالم میں — ساقی نے یہ کیا پلا دیا ہے مجھ کو

گیت



(۱)

روگ کا راگ

اُنہیں جی سے میں کیسے بھلاؤں سکھی میرے جی کو جو آ کے لُبھا ہی گئے
میرے من میں وہ پریم بسا ہی گئے، مجھے پریت کا روگ لگا ہی گئے
کئے مَیں نے ہزار ہزار جتن، کہ بچا رہے پریت کی آگ سے من
مرے من میں اُبھار کے اپنی لگن، وہ لگاؤ کی آگ لگا ہی گئے
بڑے سُکھ سے یہ بیتے تھے چودہ برس، کبھی میں نے پیا نہ تھا پریم کا رس
مری آنکھوں کو شیام دکھا کے درس، مرے ہردے میں چاہ بسا ہی گئے

کبھی سپنوں کی چھانو میں سوئی نہ تھی، کبھی بھول کے دُکھ سے میں روئی نہ تھی

مجھے پریم کے سپنے دکھا ہی گئے، مجھے پریت کے دُکھ سے رُلا ہی گئے

رہے رات کی رات سدھار گئے، مجھے سپنا سمجھ کے بسار گئے

میں تھی ہار، گلے سے اُتار گئے، میں دیا تھی جسے وہ بجھا ہی گئے

سکھی، کوئلیں ساونی گائیں گی پھر، نئی کلیاں بھی چھپاونی چھائیں گی پھر

مرے چین کی راتیں نہ آئیں گی پھر، جنہیں نین کے نیر مٹا ہی گئے

مرے جی میں تھی بات چھپائے رکھوں، سکھی چاہ کو من میں دبائے رکھوں

اُنہیں دیکھ کے آنسو جو آ ہی گئے، مری چاہ کا بھید وہ پا ہی گئے

---

(۲)

پردیسی کی پریت

پردیسی کی پریت ہے جھُوٹی
جھُوٹی پردیسی کی پریت!

ہارے ہونے کی جیت ہے جھُوٹی
دُنیا کی یہ ریت ہے جھوٹی!

پردیسی کی پریت ہے جھُوٹی!

پردیسی کی پریت ہے جھُوٹی
جھُوٹی پردیسی کی پریت!

پردیسی سے دل کا لگانا　　بہتے پانی میں ہے نہانا
کوئی نہیں ندّی کا ٹھکانا
رمتے جوگی کس کے میت
پردیسی کی پریت ہے جھوٹی　　جھوٹی پردیسی کی پریت!

اُڑتی چڑیا گاتی جائے　　میٹھا گیت مٹھاس بہائے
یُوں پردیسی من کو لُبھائے!
اُڑ گئی چڑیا، اُڑ گیا گیت!
پردیسی کی پریت ہے جھوٹی　　جھوٹی پردیسی کی پریت!

---

(۳)

بادل کا سندیسہ

آئے ہیں بادل، چھائے ہیں بادل
کس کا سندیسہ لائے ہیں بادل؟
باغ میں کوئل کُوک اُٹھی پھر   دل میں ہمارے ہُوک اُٹھی پھر
کون نگر سے آئے ہیں بادل؟
کس کا سندیسہ لائے ہیں بادل؟
برہہ میں کیوں برباد کیا ہے؟   ہم کو یہ کس نے یاد کیا ہے؟

یاد سی بن کر چھائے ہیں بادل

کس کا سندیسہ لائے ہیں بادل

پی بِن ہے برسات اندھیری   چھا گئی من پر رات اندھیری

ایسے سمے کیوں آئے ہیں بادل

کس کا سندیسہ لائے ہیں بادل

(۴)

برہن کی جوانی

برہہ میں بیتی جائے جوانی   پریتم، برہہ میں بیتی جائے
روگ لگا ہے کیسا جی کو
لکھ دے کوئی پردیسی پی کو
پھولوں سی کمھلائے جوانی   سجنی پھولوں سی کمھلائے

مایوسی نے من کو ہے گھیرا
آنسوؤں کا آنکھوں میں بسیرا
آنسو بن کے بہہ جائے جوانی   سجنی آنسو بن کے بہہ جائے
رین اندھیری سیج ہے سُونی
بپتا پڑی ہے آ کر دُونی
برہن کو تڑپائے جوانی   سجنی، برہن کو تڑپائے

---

(۵)

پردیسی سے

بھول نہ جانا او پردیسی اور پردیسی بھول نہ جانا!
پھر بھی آنا او پردیسی او پردیسی پھر بھی آنا!

چلتے رستے پریت لگائی
بھولے من پر آفت ڈھائی
ہوتی ہے کیا پیڑ پرائی

یہ بھی نہ جانا او پردیسی! او پردیسی یہ بھی نہ جانا!
بھول نہ جانا او پردیسی او پردیسی بھول نہ جانا!

میں تو تھی الّھڑ بھولی بالی
گانو کی سادہ رہنے والی
من تھا مورکھ پریم سے خالی
من تھا مورکھ تُو تھا سیانا   تُو تھا سیانا او پردیسی!
بھول نہ جانا او پردیسی   او پردیسی بھول نہ جانا!

شہر میں جا کر دل نہ لگانا!
لوٹ کے پھر اس گانوْ میں آنا!
گانوْ ہی کا ہے پریم سُہانا!
پریم سُہانا او پردیسی   او پردیسی پریم سُہانا!
بھول نہ جانا او پردیسی   او پردیسی بھول نہ جانا!
پھر بھی آنا او پردیسی   او پردیسی پھر بھی آنا!

---

(۶)

اِنتظار

اب بھی نہ آئے من کے چین
بیت چلی ہے آدھی رَین
نا کوئی ساتھن نا کوئی سجنی نا کوئی میرے پاس سہیلی
برہہ کی لمبی رات گزاروں ڈر کی ماری کیسے اکیلی
نیر بہائیں کب تک نَین
اب بھی نہ آئے من کے چین

نظریں جمی ہیں چوکھٹ پر اور کان لگے ہیں ہر آہٹ پر
آنکھوں سے ننھّے ننھّے سے آنسو بہتے ہیں اِک کروٹ پر
کرتی ہوں چُھپکے چُھپکے بَین
اب بھی نہ آئے مَن کے چَین!
بیت چلی ہے آدھی رَین!

---

(۷)

جُدائی میں

اب تو آؤ پاس ہمارے!
دل کے سہارے، آنکھ کے تارے

بیت چلیں مہتاب کی راتیں   پیار کے میٹھے خواب کی راتیں
ہجر کے دن بھی کتنے گزارے
اب تو آؤ پاس ہمارے!

کالے کوسوں، چھاؤنی چھائی   دل سے ہماری یاد بھلائی

بیٹھے ہو کب سے ہم کو بسارے
اب تو آؤ پاس ہمارے!

خوش ہے بلبل پھول کے غم سے　　اور پتنگا شمع کے دم سے
ہائے جئیں ہم کس کے سہارے
اب تو آؤ پاس ہمارے!

---

(۸)

بُلاوا

آؤ سجن گھر آؤ رے اب تو ہم کو سُونی رات ڈرائے
کاری کاری بدلی رُلائے، بجلی من میں آگ لگائے
سُونی رات ڈرائے ساجن — ہم کو سُونی رات ڈرائے!

کوئل کُوکے مدھ ماتی اور سُن کر دھڑکے میری چھاتی
ایسے سمے، ہے کون جو میرے بچھڑے پی کو منا کر لائے
سُونی رات ڈرائے ساجن ہم کو سُونی رات ڈرائے!

پی ہیں میرے، میں ہوں پی کی، بات چھپاؤں کیوں کر جی کی
پی پی کر کے پی کی کہانی، پاپی پپیہا پھر کیوں گائے؟

٥

(۹)

ساون کی گھٹائیں

ساون کی گھٹائیں چھا گئی ہیں
برسات کی پریاں آ گئی ہیں
دِل وہینے کی رُت آئی ہے   سینوں میں اُمنگ سمائی ہے
ارمانوں نے عہد منائی ہے
اُمّیدیں جوانی پا گئی ہیں

کہیں سنبل و گل کی بہاریں ہیں کہیں سرو و سمن کی قطاریں ہیں
کہیں سبزے نے رنگ نکالا ہے
کہیں کلیاں چھاؤنی چھا گئی ہیں۔
کہیں کوئل شور مچاتی ہے کہیں بلبل نغمے گاتی ہے
کہیں مور ملہار سناتے ہیں
گھنی بدلیاں دھوم مچا گئی ہیں

ماہیا

(پنجابی کی ایک مقبول صنفِ سخن تصرف کے ساتھ)

کیا روگ لگا بیٹھے

کیا روگ لگا بیٹھے
دِل ہم کو لُٹا بیٹھا، ہم دِل کو لُٹا بیٹھے
کیا روگ لگا بیٹھے

مٹ جائے یہ سینے سے
اِس عشق میں جینے سے، ہم ہاتھ اُٹھا بیٹھے
کیا روگ لگا بیٹھے

دم عشق کا بھرتے ہیں
ہم یاد اُنہیں کرتے ہیں، وہ ہم کو بھُلا بیٹھے
کیا روگ لگا بیٹھے

لکھّا تھا یہ قسمت میں
آخر کو محبّت میں، ہم جان گنوا بیٹھے
کیا روگ لگا بیٹھے!

شاعرِ رُومان حضرت اختر شیرانی کا

مجموعۂ کلام

چار جلدوں میں

شرابِ شعر و سخن کے متوالوں کو مژدہ ہو کہ شعرائے ہند کی صفِ اوّل کے جادو بیان شاعرِ رومان خیام الہند حضرت **اختر** شیرانی کا مجموعۂ کلام چار جلدوں میں شائع ہو گیا ہے ہر شعر کیف و سرور کا ایک چھلکتا ہوا پیمانہ ہے جس میں جذبات کے میکدے لہریں لے رہے ہیں۔

صبحِ بہار	اخترستان	لالۂ طور	طیورِ آوارہ
تین روپے	تین روپے	تین روپے	تین روپے آٹھ آنے

سائز ۲۷×۱۷/۸ تمام جلدیں خوب صورت گرد پوش سے مزین ہیں۔

آج ہی طلب فرمائیے

شیخ نیاز احمد پبلشر نے اپنے عالی پرنٹنگ پریس لاہور میں باہتمام میاں فیروز الدین پرنٹر چھپوا کر کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا